تدبر
لاہور

جاری کردہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مدیر: عبداللہ غلام احمد

یکے از مطبوعات:

ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور، پاکستان

ای میل: tadabbur@hotmail.com

(81)
AL-MAWRID
Institute of Islamic Sciences

تدبّر

لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ
مدیر:
عبداللہ غلام احمد

شمارہ 89
دسمبر 2005ء
ذیلقعد 1426ھ

فہرست

تذکرہ تبصرہ
- قیامت خیز زلزلہ
محبوب سبحانی 2

تدبر قرآن
- اللہ عزیز و حکیم ہے
عبد اللہ غلام احمد 5

تدبر حدیث
- درس صحیح بخاری۔ کتاب فی اللقطة کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 17
- درس موطا امام مالک۔ کتاب النذور والایمان کی روایات
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 24

مقالات
- انبیاء کی مشترک خصوصیات -1
محبوب سبحانی 37

مراسلہ مذاکرہ
مولانا امین احسن اصلاحیؒ / سید اسحاق علی 46

مجلس ادارت

- محبوب سبحانی
- سعید احمد
- سید اسحاق علی
- محمد نعمان علی

قیمت: 15.00روپے
سالانہ: 60.00روپے
بیرون ملک: 400.00روپے
(ماسوائے برصغیر)

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث۔ رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
E.mail : tadabbur @ hotmail .com

قرآن مجید مترجم
اردو ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: 920
سائز: 20 x 30 x 8
ترجمہ: بین السطور
ہدیہ: 520/-

- عربی کتابت بڑے بڑے لفظوں میں اور نہایت روشن ہے۔
- دلکش طباعت
- مضبوط جلد بندی

فاران فاؤنڈیشن فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔ اے ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 6303244-42-92+ ای میل:faran@wol.net.pk

قرآنِ حکیم

ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ
حواشی: مولانا خالد مسعودؒ

خصوصیات:
- فکر فراہی کی روشنی میں قرآن حکیم کا پہلا ترجمہ
- نفیس کتابت
- مضبوط جلد
- سفید زمین اور رنگین حاشیہ کے ساتھ عمدہ طباعت

قیمت: سٹینڈرڈ ایڈیشن: 600/-روپے حمائل ایڈیشن: 425/-روپے

فاران فاؤنڈیشن فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔ اے ایبٹ روڈ، لاہور۔
فون: 6303244-42-92+ ای میل:faran@wol.net.pk

تذکرہ وتبصرہ

محبوب سبحانی

قیامت خیز زلزلہ

تین رمضان المبارک کو آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد کی زمین کیا ہلی کہ پورے پاکستان کے لوگوں کے دل ہل گئے۔ زلزلہ سے لاکھوں افراد پر قیامت گزر گئی۔ سرکاری ذرائع کے مطابق اب تک ایک لاکھ سے زائد افراد شہید اور اس سے کہیں زیادہ افراد زخمی ومعذور ہوئے ہیں اور تقریباً چالیس لاکھ افراد بے گھر ہو گئے ہیں۔

ماہرین ارضیات کے مطابق اس قیامت خیز زلزلہ کی وجہ یوریشین پلیٹ اور انڈین پلیٹ کا ٹکراؤ ہے جس سے زبردست انرجی خارج ہوئی جو اس تباہی و برباد کا سبب بنی ہے۔ پلیٹوں کے ٹکرانے کا عمل بلاشبہ دنیا میں جاری وساری رہتا ہے، جس سے چھوٹے بڑے زلزلے آتے رہتے ہیں۔

ہمارے لیے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے اور ہمہ گیر پیمانہ پر تباہی و بربادی میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ومصلحت ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض بھی عام ہے کہ بڑے بڑے گناہگار جن میں رشوت خور، منافع خور، ذخیرہ اندوز، سمگلر، قبضہ گروپ، منشیات واسلحہ کے سوداگر اور دوسرے شامل ہیں وہ اپنے اپنے محلات میں محفوظ و مامون ہیں اور پرتعیش زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ تباہ ہونے والی بستیوں میں بھی بڑے بڑے پاپی بستے تھے تب بھی معصوم بچوں کی ہلاکت جن کی تعداد سب سے زیادہ ہے سمجھ میں نہیں آتی۔ زلزلہ سے سب سے زیادہ تعلیمی ادارے تباہ ہوئے ہیں جن کے نیچے معصوم طلباء جاں بحق ہوئے ہیں۔

یہ بات قابل فہم ہے کہ یہ تنبیہی عذاب ہے اور اس میں ہمارے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے کہ ہم اس سے سبق حاصل کریں کہ قیامت ہمارے سروں سے بھی گزر سکتی ہے جس کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ایمان واسلام کی زندگی گزارنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں اور مال ودولت عطا کی ہے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے غریبوں، ناداروں اور مصیبت زدہ افراد کی مدد کرنی چاہیے۔ شیخ سعدی

نے اس بات کو بڑے حکیمانہ انداز میں ایک کہانی میں یوں بیان کیا ہے کہ ”ایک اندھا رات کو اپنی ہتھیلی پر چراغ لے کر چلتا تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ اس سے اس کو کیا حاصل؟ اس نے کہا کہ یہ چراغ تم آنکھوں والوں کے لیے ہے۔“

یہ تاویل اگرچہ حقیقت کے قریب ہے لیکن اس کار خیر کے جذبہ کی توجیہہ نہیں ہوتی جو پوری قوم میں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں، عالم اسلام میں اپنے مسلمان بھائیوں اور پوری دنیا میں انسانوں کو ہمدردی کے لیے بیدار ہوا ہے۔

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی حکمت ان وسیع تباہیوں اور بربادیوں اور تنبیہی عذابوں سے خیر برآمد کرنا ہوتی ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب رسول انذار کرتا ہے تو اس کا اصل مقصد خیر کو اجاگر کرنا اور شر کو مٹانا ہوتا ہے۔ رسولوں کے زمانے میں تنبیہی عذابوں کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کہ قوم کو جھنجھوڑ کر اس میں جتنا بھی مکھن ہے اس کو نکال کر الگ کر دیا جائے۔ جب قوم سے یہ سارا خیر برآمد ہو جاتا ہے تو رسول اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس خیر کو لے کر ہجرت کر جاتا ہے اور شر کو اللہ تعالیٰ کا عذاب فنا کر دیتا ہے، قوم نوح، عاد، ثمود، قوم فرعون اور دوسری اقوام پر جو عذاب آئے ان کی تفصیلات قرآن مجید میں موجود ہیں۔

سیدنا یحییٰ ؑ نے حضور ؐ کی آمد کی پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ”وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اپنے کھلیانوں کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔“ (متی ۱۲۔۷)

گیہوں کو کھتے میں جمع کرنے سے مراد خیر کو الگ کرنا اور بھوسی کو آگ لگانے کا مطلب شر کو مٹانا ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ اس تباہی و بربادی کے نتیجہ میں کتنا خیر برآمد ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کے لیے پوری قوم بے چین ہو گئی اور ان کی مصیبت دور کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو گئی۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، حکومت، فوج، سرکاری وغیر سرکاری ادارے، رضا کار تنظیمیں، فلاحی ادارے، ڈاکٹر، نرسیں، تاجر، سوداگر، ساہوکار، سیاسی جماعتیں اور عام لوگ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے میدان میں نکل آئے حتیٰ کہ بچوں نے اپنے جیب خرچ بھی اس کار خیر کے لیے دے دیے۔ غرضیکہ ہر طبقہ دامے، درمے، قدمے اور سخنے مدد کر رہا ہے۔ متاثرہ علاقوں میں ڈاکٹر، سرجن، نرسیں دوادارو

میں شبانہ روز مصروف ہیں۔ کوئی خیمے فراہم کر رہا ہے تو کوئی کمبل، کوئی گرم کپڑے، کوئی کھانے پینے کی اشیاء اور کوئی ادویات لیے دوڑ پڑا ہے۔ امدادی سامان کے ٹرکوں کی طویل قطاریں لگی ہوئی ہیں جو امدادی سامان لیے دوڑے جا رہے ہیں۔ میڈیا کو بھی بھولا ہوا سبق یاد آ گیا ہے وہ تباہی و بربادی کی تصاویر دکھا کر لوگوں کو امداد پر ابھار رہا ہے اور حکومت اور عوام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ آزمائش کی اس گھڑی میں متاثرین کی امداد کے لیے جو جوش وخروش اور ولولہ پایا جاتا ہے اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن نہیں۔

اس صورت حال سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ پاکستانی قوم میں خیر کا وسیع خزانہ موجود ہے جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ جس قوم کے پاس خیر کا اتنا بڑا خزانہ ہو وہ دنیا میں ضرور ترقی کرے گی۔

جہاں تک مصیبت زدوں کا معاملہ ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اس ناگہانی آفت سے شہید ہوئے ہیں وہ تو سیدھے سیدھے جنت میں جائیں گے کیونکہ قیامت کے دن شہید کا حساب کتاب نہیں ہوگا۔ زخمی اور معذور اگر راضی برضا ہیں اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کریں تو ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اسی طرح بے خانماں اور بے مال ومنال ہونے والے لوگ بھی صبر واستقامت کا مظاہرہ کریں گے تو ان کو بھی قیامت کے دن اجر عظیم ملے گا۔ جن والدین کے بچے جاں بحق ہوئے ہیں ان کے لیے اجر اَوذخراً کا وعدہ ہے۔ جن لوگوں نے جس جس شکل میں اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے مدد کی ہے ان کے نامہ اعمال میں اس کے حساب سے نیکیاں درج کی جائیں گی۔ ادارہ تدبر قرآن وحدیث متاثرین کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مصیبت زدوں کی غیب سے مدد کرے اور ہم سب کو ان کی خدمت کرنے کی توفیق اور ہمت عطا کرے۔ آمین

عبداللہ غلام احمد

اللہ عزیز وحکیم ہے

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۭ لَہُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى (طٰہٰ ۲۰:۸)

"اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تمام اچھی صفتیں اسی کے لیے ہیں۔"

اسماء سے مراد صفات الٰہی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کے تمام نام اس کی صفات ہی کی تعبیر ہیں۔ تمام دین وشریعت کی بنیاد درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کی مقتضیات ہی پر ہے۔ قرآن مجید میں شروع سے لے کر آخر تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ تمام تر صفات الٰہی کے مظاہر وانوار اور ان کے تقاضوں ہی کا بیان ہے۔ انہی سے دین کا فلسفہ وجود میں آیا ہے اور انہی سے دین کے مظاہر واشکال بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا سمجھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات آیات کے شروع میں، درمیان میں یا کسی آیت یا آیات کے مجموعہ کے آخر میں آئی ہیں۔ ان صفات کے ان مقامات پر لانے میں بہت بڑی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے استحضار سے آیات کا مطلب ومقصود سمجھنے کے لیے راہنمائی ملتی ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۱۰)

"کہہ دو کہ اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے، جس نام سے بھی پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو خود ہی قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔ ان صفات کا احاطہ اور ان سب کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ ہم صرف دو اسمائے حسنیٰ یعنی دو صفات "العزیز الحکیم" کو قرآن مجید ہی کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

'عزیز' کے معنی غالب اور عزت وقوت والے کے ہیں یعنی وہ ذات جو پوری قوت وصولت اور پورے

اختیار واقتدار کے ساتھ اس کائنات پر فرمانروائی کر رہی ہے۔ 'حکیم' کے معنی ہیں جس کے ہر کام میں حکمت، مصلحت اور مقصد و غایت ہو۔ قرآن مجید میں ان دونوں صفتوں کا حوالہ بالعموم ایک ساتھ آتا ہے۔ اس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات پر پوری قوت اور پورے غلبہ کے ساتھ حاوی اور متصرف ہے لیکن اس کے غلبہ واقتدار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کے زور میں جو چاہے کر ڈالے بلکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت و مصلحت کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کا کوئی کام بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات، عزیز و حکیم، اکثر ایک ساتھ آئی ہے اور مختلف مقامات پر مختلف موقع و محل کے ساتھ ذکر ہوئی ہیں۔ اس سے مقصود ان صفات کے مظاہر اور تقاضوں کا بیان ہے۔ اب ہم ان صفات کے موقع و محل کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

۱۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (آل عمران ۳:۶۲)

''بے شک یہ سچا بیان ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی عزیز اور حکیم ہے۔''

اس آیت سے پچھلی آیات ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل حقیقت بیان فرمائی ہے۔ ان کا جو درجہ اور مرتبہ بھی ہے خدا کے ایک بندے اور رسول کی حیثیت سے ہے۔ خدا کی خدائی میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہٹ دھرمی سے کام لیا اور عقل واستدلال سے گریز کا راستہ اختیار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ نصاریٰ نے قرآن کے اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہیں کی جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے موقف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اس لیے وہ پسپا ہو گئے۔ چنانچہ فرمایا کہ بے شک یہی سچا بیان ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی غالب اور سب سے بالاتر ہے۔ اس کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ یہ دونوں صفتیں شرک کی کامل نفی کرتی ہیں۔

۲۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ (آل عمران ۳:۱۲۶۔۱۲۷)

''اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر تمہارے لیے بشارت اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں اور

مدد نہیں آتی مگر خدائے غالب و حکیم ہی کے پاس سے تاکہ اللہ کافروں کے ایک حصے کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر دے کہ وہ خوار ہو کر لوٹیں۔''

جنگ احد کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے سے اہل ایمان کی مدد کا خاص طور پر وعدہ فرمایا تو یہ اس لیے کہ ان کے لیے بشارت کا باعث ہو اور ان میں مخالفین و منافقین کے رویے سے جو بددلی پیدا ہوئی وہ دور ہو جائے۔ اگر بشارت نہ بھی اترتی تب بھی اہل ایمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ فتح و نصرت ہمیشہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ عزیز و غالب ہے جس کو چاہے وہ فتح و غلبہ عطا فرمائے اور حکیم بھی ہے اس وجہ سے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ غزوہ بدر کے موقع پر جو نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی اس کی تفصیل سورہ الانفال میں آئی ہے۔

۳۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء ۴:۵۵۔۵۶)

''پس ان میں سے ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان لائے اور ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس سے منہ موڑا۔ اور ایسوں کے لیے جہنم کی بھڑکتی آگ ہی کافی ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم ان کو ایک سخت آگ میں جھونک دیں گے۔ جب جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے تاکہ یہ عذاب کا مزہ خوب چکھیں۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

یہ آیات بنی اسمٰعیل سے متعلق ہیں۔ فرمایا کہ ان میں سے ایک گروہ تو اس کتاب کو قبول کر کے ایمان سے مشرف ہو چکا ہے لیکن ایک گروہ ابھی تک روگرداں ہے۔ اس گروہ کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ کفر پر اڑا رہا تو اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا جہاں ان کے عذاب میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ جب جب ان کی کھالیں پک جائیں گی، ان کو دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی تاکہ ان کا عذاب تازہ ہوتا رہے۔ اللہ عزیز یعنی غالب ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی فعل عدل و حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۴۔ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء ۴:۱۵۷۔۱۵۸)

''قتل اس کو انہوں نے ہرگز نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس پورے رکوع میں بنی اسرائیل کے جرائم کی طویل فہرست دی گئی ہے۔ اس سلسلہ کلام کے بیچ میں

ایک جملۂ معترضہ لا کر یہود کے دعوائے قتل مسیح کی فوری تردید کردی گئی۔ اس فوری تردید سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول اس کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔ ان کے خلاف دشمنوں کی چالیں اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ اس وجہ سے یہود کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کو قتل کیا یا سولی دی بالکل بے بنیاد ہے۔ وہ اپنی شرارت میں بالکل ناکام رہے۔ عزیز و حکیم کی صفات کے حوالے سے مقصود یہاں یہ ہے کہ خدا جب کسی کام کو کرنا چاہے تو وہ اپنے ارادے پر غالب ہے۔ اس کے لیے کوئی راہ بند نہیں ہے۔ وہ جہاں چاہے اپنی تدبیر و حکمت سے راہ کھول لیتا ہے۔

۵۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا (النساء ۴:۱۶۵)

''اللہ نے رسولوں کو خوش خبری دینے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا تا کہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس آیات میں رسولوں کا مشترک مشن بھی بتا دیا اور وہ ضرورت بھی جو ان کو بھیجنے کی داعی ہوئی۔ ان کا مشترک مشن لوگوں کو بشارت دینا اور خطرے سے آگاہ کرنا ہے۔ بشارت اس بات کی کہ جو لوگ ایمان و عمل کی زندگی اختیار کریں گے ان کے لیے ابدی زندگی کی خوشیاں اور کامرانیاں ہیں۔ آگاہی اس بات کی کہ جو لوگ کفر اور بدعملی کی راہ اختیار کریں گے ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ اگرچہ خدا عزیز ہے وہ انبیاء کے بھیجے بغیر بھی لوگوں کو ان کی نافرمانیوں پر سزا دیتا تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا لیکن وہ حکیم بھی ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ کسی کو سزا دے تو اتمام حجت کے بعد ہی دے۔ یہ حجت رسولوں کے آنے کے بعد پوری ہوگئی۔ عقل و فطرت کی جو شہادت ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور نیکی و عدل سے محبت، ظلم و گناہ سے نفرت انسان کے اندر ودیعت تھی وہ ان انبیاء نے پوری طرح آشکارا کردی۔ ان کے جو تقاضے تھے وہ پوری تفصیل سے بیان کردیے۔ اب کوئی ٹھوکر کھاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں آنکھیں رکھتے ہوئے پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھاتا ہے۔

۶۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا جَزَآءًۢ بِمَا کَسَبَا نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (المائدہ ۵:۳۸)

''اور چور مرد اور چور عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، ان کیے کی پاداش اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔''

اس آیت میں قطع ید کے دو سبب بیان ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مجرم کے جرم کی سزا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ 'نکال' ہے۔ نکال کے معنی کسی کو ایسی سزا دینے کے ہیں جس سے دوسرے عبرت پکڑیں۔ ان دونوں کے درمیان عطف کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں باتیں اس بات میں بیک وقت مطلوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے تمام قوانین و احکام اس کی صفات کا عکس ہیں۔ وہ عزیز اور غالب ہے۔ اس وجہ سے اس کو حق ہے کہ وہ جو چاہے حکم دے اور حکیم ہے اس وجہ سے اس کا ہر حکم حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ اس کے بندوں کے لیے نہ تو اس کے حکم کی سرتابی جائز ہے اور نہ ان کے لیے زیبا ہے کہ وہ اس کے کسی حکم کو حکمت و مصلحت کے خلاف قرار دیں۔ اس آیت میں قانون الٰہی کی قوت اور حکمت دونوں ہی پہلوؤں کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (المائدہ ۵:۱۱۸)

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نصاریٰ کی گمراہی کے بارے میں پوچھے گا کہ کیا تم نے نصاریٰ کو یہ تعلیم دی تھی کہ اللہ کے سوا مجھ کو اور میری ماں کو معبود بناؤ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب میں عرض کریں گے کہ تو پاک ہے۔ بھلا میں ایسی بات زبان سے کس طرح نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق نہیں تھا...... میں جب تک ان میں موجود رہا اس وقت تک تو دیکھتا رہا کہ وہ کیا بنا رہے ہیں لیکن جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں کہ انہوں نے کیا بگاڑ ابنایا۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ مشرکین کے لیے شفاعت نہیں کرسکتے چنانچہ ان کے بارے میں وہ ایسے بلیغ اسلوب میں عرض کریں گے کہ بات بھی سچی ہو، دربار الٰہی کے شایان شان بھی ہو، درمندانہ بھی ہو اور ان پر ان کی سفارش کی ذمہ داری بھی عائد نہ ہو۔ وہ عرض کریں گے کہ تو غالب ہے اگر تو چاہے تو ان کی سزا دے دے۔ کوئی تیرا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ اور تو حکیم ہے اگر تو چاہے تو ان کو بخش دے، تیرے لیے مشکل بھی نہیں، تو جہاں چاہے اپنی حکمت سے راہیں کھول لیتا ہے۔ امت کے معاملہ میں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تفویض الی اللہ کا کلمہ ہے۔

۸۔ وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (الانفال ۸:۱۰)

''اور اللہ نے یہ صرف اس لیے کیا کہ تمہارے لیے خوش خبری ہو اور اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔ بے شک اللہ غالب اور حمت والا ہے۔''

یہ آیت جنگ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مدد تو جب بھی آتی ہے یا آئے گی اللہ ہی کے پاس سے آتی ہے یا آئے گی اس لیے خدا پر بھروسہ کرنے والے ہمیشہ خدا ہی پر بھروسہ کریں وہ ہمیشہ ان کی مدد فرمائے گا۔ خدا عزیز و غالب ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کا ہاتھ پکڑ سکے لیکن ساتھ ہی وہ حکیم بھی ہے اس وجہ سے اگر کبھی اہل ایمان کو کوئی افتاد پیش آجائے تو اس میں بھی کوئی حکمت کارفرما ہوتی ہے اور اس کی تہہ میں بھی بندوں ہی کی مصلحت مضمر ہوتی ہے۔

آگے چل کر سورہ الانفال ہی میں منافقین اور حاسدین کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا:

۹۔ إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال ۸:۴۹)

"جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے، کہتے تھے ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ اور جو لوگ اللہ بھروسہ کرتے ہیں تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

یہاں 'مرض' سے مراد حسد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان منافقین و حاسدین کے علی الرغم جو لوگ اللہ پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ خدا غالب ہے وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کا خود ساتھی بنتا ہے۔ اس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ وہ حکیم ہے اس لیے وہ ان کے لیے خود تدبیر فرماتا ہے اور اس کی تدبیر کے آگے کسی کی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

۱۰۔ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال ۱۰:۶۲۔۶۳)

"وہی ہے جس نے اپنی نصرت سے اور مومنین کے ذریعے سے تمہاری امداد کی اور ان کے دلوں کو باہم جوڑا۔ اور اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں کو باہم نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے جوڑ دیا۔ بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی گئی کہ قریش اگر صلح کی پیشکش کریں تو اسے قبول کر لیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے تو اس کی پروا نہ کرنا۔ اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔ وہ تمہاری اس وقت بھی مدد فرمائے گا جب تمہارے یہ حریف صلح کے پردے

میں تمہارے خلاف جنگ کی سکیمیں بنائیں گے اور تمہاری نیکی سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ خاص تائید غیبی ہی کا کرشمہ ہے۔ جانثاروں کی ایک جمعیت کا فراہم ہو جانا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ اللہ نے تائید فرمائی اور اس کی توفیق بخشی نے رہنمائی فرمائی۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہوئے تھے وہ اسلام لانے سے پہلے دور جاہلیت کی تمام برائیوں سے آلودہ تھے، ان کے قبیلے جدا جدا تھے، ان میں شدید قسم کے تعصبات تھے، ان کے مفادات باہم متصادم تھے اور یہ ان کے حاصل کرنے لیے جائز و ناجائز اور عدل و ظلم کے تمام حدود و قیود سے آزاد تھے۔ اس طرح کے لوگوں کو ان کے تمام تعصبات و مفادات اور تمام رسومات و عادات سے چھڑا کر بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھال دینا اور اس سانچے کو ان کی نگاہوں میں اتنا محبوب بنا دینا کہ اس کی خاطر وہ قوم، وطن، خاندان، جائیداد اور بیوی بچے سب کو چھوڑ کر کھڑے ہوں، یہ خدا ہی کے لیے ممکن ہے۔ کوئی انسان یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا اگر چہ وہ دنیا جہاں کے سارے وسائل اس پر صرف کر ڈالے۔

اللہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ جو کام کرنا چاہتا ہے کر ڈالتا ہے اور اس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ان دو صفتوں کا اشارہ اس کی اس سنت کی طرف ہے کہ اس نے ہدایت و ضلالت کے معاملے میں جبر کا طریقہ نہیں اختیار فرمایا ہے وہ غالب و مقتدر ہے اگر وہ ایسا کرتا تو اس میں شبہ نہیں کہ کسی کے لیے بھی ایمان کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی مگر وہ حکیم بھی ہے۔ اس نے اپنی حکمت کے تحت بندوں کو آزادی دی کہ اپنی سوچ سمجھ اور اپنے اختیار و آزادی کے ساتھ چاہیں تو ایمان کی راہ اختیار کریں اور چاہیں تو کفر کی راہ اختیار کریں اگر وہ ایمان کی راہ اختیار کریں گے تو اس کا صلہ پائیں گے اور اگر کفر کی راہ اختیار کریں گے۔ تو اس کا انجام دیکھیں گے۔

۱۱۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال ۱۰:۶۷)

"کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ اس کو قیدی ہاتھ آئیں یہاں تک کہ وہ اس کے لیے ملک میں خونریزی برپا کر دے۔ یہ تم ہو جو دنیا کے سر و سامان کے طالب ہو، اللہ تو آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔"

قرآن مجید میں خطاب بالکل اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح ایک اعلیٰ خطیب تقریر میں اختیار کرتا ہے۔

جتنی پارٹیاں سامنے ہوتی ہیں، بیک وقت، سب کی طرف رخ بدل بدل کر ان کے ذہن کے لحاظ سے بات کہتا جاتا ہے، خود بات ہی واضح کر دیتی ہے کہ مخاطب کون ہے اور اس کے کس شبہ یا اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ اس آیت کا مخاطب مسلمانوں اور وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کو ماننے کی تو کوئی گنجائش نہیں۔ اور بالفرض اس آیت کا مخاطب دل پر جبر کر کے نبیؐ اور صدیقؓ کو تھوڑی دیر کے لیے کوئی مان لے تو اس کے بعد جو آیت آ رہی ہے اس کا مخاطب نبیؐ اور صدیقؓ کو ماننے کے لیے کوئی دل و جگر کہاں سے لائے! یہ خطاب قریش سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ان کے اس پراپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے کہ تم نبی پر یہ الزام جو لگاتے ہو کہ وہ ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں۔ اپنی قوم میں خونریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمہاری اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مال لوٹنے کے شوق میں ملک میں خونریزی برپا کر دے۔ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو خرت چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ ہو رہا ہے نبی اور اہل ایمان کی حیثیت، اس سارے کام میں محض آلہ اور واسطہ کی ہے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ عین اللہ کا ارادہ اور اس کی مرضی ہے۔ اللہ کی مرضی اپنے بندوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ہر کام آخرت کی اپنا نصب العین بنا کر کریں تو نبی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی اقدام اللہ کی مرضی کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ گویا بدر اور اس کے سلسلہ کے تمام اقدامات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا ہر ارادہ عدل و حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اب تم جو ژاژ خائی کرنا چاہتے ہو کرتے رہو۔

۱۲۔ اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡـًٔـا ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ‌ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى‌ ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ‌ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ (التوبہ ۹: ۴۰)

''اگر تم اس کی مدد نہیں کرو گے (تو کچھ پروا نہیں)۔ اس کی مدد تو اللہ نے اس وقت فرمائی جب کافروں نے اس کو اس حال میں نکالا کہ وہ صرف دو کا دوسرا تھا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی

سے کہہ رہا تھا کہ تم غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور اس کی مدد ایسی فوجوں کے ذریعے سے کی جو تمہیں نظر نہیں آئیں اور اس نے کافروں کی بات پست کی اور اللہ ہی کا کلمہ بلند رہا۔ اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس مجموعہ آیات میں خطاب تو مومنین سے ہے لیکن روئے سخن فقین کی طرف ہے فرمایا کہ پیغمبر جس اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اٹھے ہیں اگر اس کام میں تم نے ان کا ساتھ نہ دیا تو یہ نہ سمجھو کہ یہ کام رک جائے گا۔ جس خدا نے ہجرت سے لے کر اب تک ہر قدم پر اس کی مدد فرمائی ہے وہ اب بھی اس کی مدد کو موجود ہے۔ غور کرو کہ کیا پیغمبر جس کی نصرت کے لیے خدا کی یہ شانیں ظاہر ہوئی ہیں وہ تم جیسے لوگوں کا محتاج ہو سکتا ہے۔ اس کا خدا عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ وہ جس کام کو کرنا چاہیے کسی کی طاقت نہیں کہ کوئی اس میں مزاحم ہو سکے اور اس کے کام میں ایسی حکمت ہوتی ہے کہ کوئی اس کی حکمت کو پا نہیں سکتا۔

۱۳۔ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ؕ اُولٰۤـئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ (التوبہ ۹: ۷۱)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں یہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز کا اہتمام کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے نوازے گا۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس آیت سے اوپر والی آیات میں فقین اور منافقات کا کردار واضح کرنے کے بعد اس آیت میں فرمایا کہ مومنین اور مومنات ایمان کے مقتضیات و مطالبات کی تعمیل و تکمیل میں ایک دوسرے کے ساتھی، دست و بازو، اور ہمدرد و غم گسار ہیں، منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ وہ منکر کا حکم دینے اور معروف سے روکتے ہیں۔ برعکس ان کے مومنین اور مومنات معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے ہیں۔ منافقین اور منافقات انفاق سے اپنے ہاتھ روکے ہوئے ہیں اور اللہ کو انہوں نے بھلا رکھا ہے لیکن مومنین اور مومنات کا حال یہ ہے کہ وہ نماز کا اہتمام کرتے ہیں جو ذکر الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو آدمی کے ہاتھ کو خدا کی راہ میں انفاق کے لیے کھولتی ہے اور اس کے بخل کو دور کرتی ہے۔ منافقین اور منافقات کی روش یہ ہے کہ وہ بدعہد اور غدار ہیں۔ برعکس اس کے مومنین اور مومنات کا حال یہ ہے کہ اللہ اور رسول سے سمع و طاعت کا جو عہد انہوں نے باندھا ہے ہر مرحلہ میں پوری راست بازی اور کامل وفاداری سے اس کو نباہ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ

جب اللہ کے ساتھ دونوں کا معاملہ الگ الگ ہے تو اللہ کا معاملہ بھی دونوں کے لیے مختلف ہوگا۔ منافقین اور منافقات کے لیے اوپر لعنت مذکور ہوئی ہے۔ اس کے مقابل میں مومنین اور مومنات کے لیے اللہ کی رحمت ہے۔ خداعزیز وحکیم ہے۔ اس کی قدرت وحکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا ہر معاملہ عدل ورحمت پر مبنی ہو۔

۱۴۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (ابراہیم ۴:۱۴)

''ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کو قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ ان پر اچھی طرح واضح کردے۔ پس اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کردیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ عزیز وحکیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے قرآن مجید کو عربی زبان میں اور رسولؐ کو خود اس کی قوم کے اندر مبعوث فرمایا تا کہ وہ اللہ کی ہدایت لوگوں پر اچھی طرح واضح کردے۔ چنانچہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت وضلالت کے معاملے میں اپنی سنت بھی واضح کردی ہے کہ وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ تمہارا کام اللہ تعالیٰ کی باتوں کو اچھی طرح واضح کردینا ہے۔ وہ تو تم نے کردیا ہے اور کررہے ہو۔ رہا لوگوں کا ایمان لانا یا نہ لانا تو یہ خدا کی مشیت پر منحصر ہے اور خداعزیز وحکیم ہے یعنی اس کی ہر مشیت اس کی حکمت کے ساتھ ہے۔ جو لوگ اس کی حکمت کے تحت ہدایت پانے کے مستحق ٹھہریں گے وہ ہدایت پائیں گے اور جو لوگ اس کے مستحق نہیں ٹھہریں گے وہ اس سے محروم رہیں گے۔

۱۵۔ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (النحل ۱۶:۶۰)

''بری تمثیل ان لوگوں کے لیے ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ کے لیے اچھی صفتیں ہیں۔ وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس آیت سے پچھلی آیات میں مشرکین کے شرک کے دوہرے گھنونے پن کو واضح فرمایا ہے کہ اول تو یہی بات بڑی بھونڈی ہے کہ خدا کا کسی کو شریک وسہیم ٹھہرایا جائے پھر بالائے ستم یہ ہے کہ جس چیز کو وہ اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں اس کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خود اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں لیکن خدا کے لیے انہوں نے بیٹیاں قرار دے رکھی ہیں درآں حالیکہ بیٹیوں کے معاملے میں خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ اگر ان

میں سے کسی کو خبر دی جائے کہ اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو غم سے اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ وہ ہر وقت رنج والم سے گھٹا گھٹا رہتا ہے۔ اس کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور اس تردد میں پڑ جاتا ہے کہ ذلت کو گوارا کر کے اس کو زندہ رکھے یا اس کو زمین میں دفن کر کے اس ذلت سے چھٹکارا حاصل کرے۔ جس چیز کو وہ اپنے لیے مکروہ سمجھتے ہیں اس چیز کو خدا کی طرف بے تکلف منسوب کرتے ہیں۔ افسوس کتنا برا فیصلہ ہے جو انہوں نے کیا۔

اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری تمثیل ہے اور اللہ کے لیے اعلیٰ صفتیں ہیں لیکن ان لوگوں نے معاملہ کو اس کے برعکس کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب ومقتدر ہے۔ اگر وہ چاہے تو ان کا فوراً مواخذہ کرے اور ان کو کھڑے کھڑے سزا دے دے مگر وہ حکیم بھی ہے اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک وقت معین تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے تا کہ اگر وہ سنبھلنا چاہیں تو سنبھل جائیں البتہ جب وقت معین آجائے گا تو اس سے نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

۱۶۔ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (النمل ۲۷:۹)

''اے موسیٰ! یہ تو میں ہوں۔ خدائے عزیز وحکیم!''

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کے لیے واپس ہوتے ہوئے اندھیری اور ٹھنڈی رات میں راستہ بھول گئے۔ دور سے ایک روشنی دکھائی دی۔ انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ مجھے آگ نظر آئی ہے، میں وہاں جاتا ہوں۔ اگر کچھ لوگ وہاں ہوئے تو ان سے راستہ کا پتہ کرتا ہوں ورنہ آگ ہی کا کوئی انگارہ لاتا ہوں تا کہ تم تاپ سکو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو یہ آواز سنائی دی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور وہ جو اس کے اردگرد ہیں۔ اللہ، عالم کا رب، ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔ یہ بات تو ہاتف غیب کی آواز تھی۔ اب یہ خود حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کر کے رب العزت نے اپنا تعارف کرایا کہ میں ہی خدائے عزیز وحکیم ہوں۔ ان صفات سے تعارف کرانے کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس سے ناواقف نہیں تھے۔ وہ بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے اور ایک مدت تک حضرت شعیب علیہ السلام کی صحبت و معیت میں رہے تھے۔ مقصود ان صفات کی یاددہانی ہے، اس مہم کے لیے حضرت موسیٰؑ کے قلب کو مضبوط کرنا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مامور کرنا چاہا۔ 'عزیز وحکیم' کی صفات سے تعارف کرانے سے مقصود اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ جس ذات نے تم کو اس وقت خطاب وکلام سے مشرف فرمایا ہے وہ ہر چیز پر غالب ومقتدر

ہے۔کوئی اس کے ارادے میں مزاحم نہیں ہوسکتا اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے۔اس کا ہر ارادہ حکمت ومصلحت پر مبنی ہے اور اسلوب کلام چونکہ حصر در حصر کا ہے اس وجہ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ میرے مقابل میں کسی اور کے زور واقتدار یا میری حکمت ومصلحت کے مقابل میں کسی اور حکمت ومصلحت کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں۔خدا کی انہی صفات کی معرفت نے حضرت موسیٰ ؑ کے اندر وہ عزیمت پیدا کی کہ وہ بنی اسرائیل جیسی نکمی قوم کے ساتھ فرعون جیسے جبار کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قدم پر فیروزمندی عطا فرمائی۔

۱۷۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (العنکبوت ۲۹:۲۶)

"پس لوط نے اس کی تصدیق کی۔اور کہا، میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔بے شک وہی عزیز وحکیم ہے۔"

'اٰمَنَ لَهٗ' تصدیق وتائید کے مفہوم میں ہے، یہاں حضرت لوط علیہ السلام کی تصدیق وتائید کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی پر بھی ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ ان کی دعوت میں ان کی ہمنوائی کرنے والا حضرت لوطؑ کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔لیکن بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ ان کی دعوت کی صدائے بازگشت دنیا کے کونے کونے سے اٹھی۔جب انہوں نے اپنی قوم کا رویہ دیکھ لیا کہ وہ ان کے قتل کرنے اور جلا دینے کے درپے ہیں تو انہوں نے سنت الٰہی کے مطابق ہجرت کا عزم فرمایا کہ اب میں اپنی قوم کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔میرا رب عزیز وحکیم ہے یعنی اگرچہ بظاہر حالات بالکل نامساعد ہیں لیکن میرا رب ہر چیز پر غالب ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔وہ میرے لیے اپنی قدرت وحکمت سے راہ کھولے گا اور اس تاریکی کے اندر روشنی نمودار کرے گا۔

(ماخوذ از تفسیر تدبر قرآن)

(جاری ہے)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس صحیح بخاری

۸۔باب: لَا تُحْتَلَبُ مَاشِيَةُ اَحَدٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ

اس بارے میں کہ کسی کے جانور کا دودھ بغیر اجازت کے نہ دوہا جائے

۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ' عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ" مَاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تُؤْتٰى مَشْرُبَتُهٗ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهٗ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهٗ فَاِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ اَطْعِمَاتِهِمْ فَلَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ" مَاشِيَةَ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے جانور کو اس کے اذن کے بغیر نہ دوہے۔کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی اس کے غلہ کے ذخیرہ میں گھس جائے پھر اس کے تھیلوں کو توڑ کر ان سے غلہ منتقل کر لے تو یاد رکھو اسی طریقہ سے لوگوں کے مویشیوں کے تھن ان کی غذا کے ذخیرے ہیں تو جائز نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی کسی کے مویشی کو بلا اجازت دوہ لے۔

وضاحت:

یہ چیز وہاں عرب میں پیش آسکتی تھی۔صحرا میں بکریوں کا دودھ دوہ لیا اور پی لیا۔اور یہی ان کا ایک طرح کا ہوٹل تھا۔یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔وہ ان روایات سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ تین مرتبہ آواز دو اگر کوئی چرواہا نہیں ہے تو دودھ دوہ کر پی لو۔امام

بخاری اس کے خلاف ہیں اور ان کا مذہب ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ جب یہ حدیث موجود ہے تو پھر ان روایتوں کی کوئی ذمہ داری تو نہیں ہے۔

۹۔ باب: اِذَا جَاءَ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ رَدَّهَا عَلَيْهِ لِاَنَّهَا وَدِيعَةٌ عِنْدَهُ

باب: اس بارے میں کہ گری پڑی چیز کا مالک سال گزرنے کے بعد آئے تب بھی چیز پانے والے کو لوٹانا پڑے گی کیونکہ وہ اس کے پاس امانت تھی۔

۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ اَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ قَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَ هَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ، قَالُوْ يَارَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ، قَالَ خُذْهَا، فَاِنَّمَا هِيَ لَكَ اَوْلِاَخِيْكَ اَوْلِلذِّئْبِ، قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، اَوِاحْمَرَّ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا۔

ترجمہ: زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا ایک سال تک اس کا تعارف کراتا رہ، پھر اس کا بندھن اور تھیلی پہچان رکھ۔ اس کے بعد اس کو خرچ کر ڈال۔ اگر اس کا مالک آجائے تو ادا کر دے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ بھولی بھٹکی بکری کو کیا کریں۔ آپ نے فرمایا اس کو پکڑ لو، وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ اور بھولا بھٹکا اونٹ ہو تو؟ یہ سن کر آپ غصے ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے دونوں گال سرخ ہو گئے یا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اونٹ سے تجھ کو کیا کام، اس کے ساتھ اس کا موزہ ہے، مشکیزہ ہے اس کا مالک جب آئے گا اس کو لے لے گا۔

وضاحت:

امام صاحب نے باب باندھا ہے کہ جب لقطہ کا مالک ایک سال بعد آئے تو پانے والا اس کو لوٹا دے گا کیونکہ وہ اس کے پاس امانت تھی۔ میرے نزدیک اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ امانت میں اور لقطہ میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ ایک شخص اپنے مملوکہ شے، جو ہو سکتا ہے اس کو محبوب بھی ہو جان بوجھ کو ایک دوسرے شخص کے حوالے کرتا ہے جس پر اس کو اعتماد بھی ہے۔ یہ ہوئی امانت۔ لقطہ یہ ہے کہ کوئی گری پڑی چیز آپ کے ہاتھ لگ گئی۔ آپ کے لیے یہی بات ہے کہ ایک سال آپ اس کا تعارف کرائیں۔ اب یہ ہے کہ ایک سال گزرنے کے بعد جب یہ اجازت دی کہ ثم استنفق بها پھر اس کو خرچ کرلو تو یہ کہنا کہ اس مدت کے بعد وہ آئے تو اس کو لوٹانا ضروری ہے، یہ بات تو بالکل انصاف کے خلاف ہے۔ جب پانے والے نے خرچ کر لیا تو اس نے وہ چیز خرچ کر لی جو اس کے لیے جائز تھی۔ البتہ ایک شکل یہ ہے وہ یہ کہ آپ نے خرچ کر لیا اور ایک شخص اس کے بعد آیا اور آپ کے حالات ایسے ہیں کہ آپ دے سکتے ہیں تو دے دیں۔ یہ آپ کا احسان ہو گا۔ آپ کے اوپر ودیعت یا امانت کا بوجھ نہیں تھا۔ دوسرے یہ بات بھی ہے کہ حدیث میں کہیں ودیعت کا لفظ نہیں ہے۔ امام صاحب نے باب میں یہ لفظ استعمال کر دیا ہے اور تصور دیا ہے اس مال کی حیثیت امانت کی ہے۔ روایت میں ایسا نہیں ہے۔ میری رائے یہی ہے کہ سال گزرنے کے بعد اگر وہ مالک کو لوٹا دے تو اس کا احسان ہے، یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ میرے نزدیک امام صاحب نے باب غلط باندھا ہے اور ان کا فتوٰی بھی صحیح نہیں۔

۱۰۔ باب: هَلْ يَاْخُذُ اللُّقَطَةَ وَلَا يَدَعُهَا تَضِيعُ حَتّٰى لَا يَاْخُذَهَا مَنْ لَا يَسْتَحِقُّ

باب: اس بارے میں کہ کیا گری پڑی چیز کا اٹھا لینا بہتر ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ ضائع ہو جائے یا کوئی غیر مستحق اس کو پا لے

۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ وَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ فِي غَزَاةٍ فَوَجَدْتُ سَوْطًا فَقَالَا لِي اَلْقِهِ قُلْتُ لَا، وَلٰكِنْ اِنْ

وَجَدْتُ صَاحِبَهُ وَاِلَّا اسْتَمْتَعْتُ بِهِ فَلَمَّا رَجَعْنَا حَجَجْنَا فَمَرَرْتُ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَاَلْتُ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ وَجَدْتُ صُرَّةً عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْهَا مِائَةُ دِیْنَارٍ فَاَتَیْتُ بِهَا النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ اَتَیْتُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا ثُمَّ اَتَیْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا ثُمَّ اَتَیْتُهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اَعْرِفْ عِدَّتَهَا وَوِکَاءَ هَا وَ وِعَاءَ هَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَاِلَّا اسْتَمْتِعْ بِهَا۔

ترجمہ: سوید بن غفلۃ کہتے ہیں کہ میں نے ایک لڑائی میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے ساتھ تھا۔ میں نے ایک کوڑا دیکھا تو اس کو اٹھالیا، مجھ سے انہوں نے کہا کہ پھینک دو میں نے کہا نہیں پھینکتا۔ اگر اس کے مالک کو پایا تو اس کو دے دوں گا ورنہ اپنے کام میں لاؤں گا۔ جب ہم غزوہ سے لوٹے تو حج کیا۔ پھر مدینہ میں گزر رہا تھا کہ ابی بن کعبؓ ملے۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مجھے ایک تھیلی ملی تھی۔ میں اس کو لے کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا ایک سال تک اس کو متعارف کراؤ۔ میں ایک سال پوچھتا رہا۔ پھر آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اور پوچھتا رہ۔ میں نے ایک سال اور ایسا ہی کیا پھر آپؐ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا ایک سال اور پوچھتا رہ۔ میں نے ایک سال اور ایسا ہی کیا اور چوتھی بار آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اس کی گنتی اور بندھن اور تھیلی خیال میں رکھ۔ اگر اس کا مالک آئے تو خیر ورنہ خرچ کر ڈال۔

وضاحت:

اس ضمن میں ایک روایت پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں بھی یہ تھا کہ یہاں بھی اگلی روایت میں آ رہا ہے کہ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں تین سال بتلانے کو کہا تھا یا ایک سال۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھولنے کی بات ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ کیا گری پڑی چیز کو اٹھالینا بہتر ہے یا نہ اٹھانا بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کسی غریب کا مال ہو اور اس طریقہ سے اٹھالینے سے اس تک پہنچ جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کا مال ہے اور نہ اٹھانے سے کسی شرابی کبابی کے ہاتھ لگ جائے۔ مال ایک قیمتی چیز ہے اس کو چھوڑنا درست نہیں ہے۔ سوید بن غفلہؓ نے ٹھیک کیا کہ کوڑا اٹھالیا۔ جن صاحب نے کہا کہ مت اٹھاؤ، پھینک دو، ان کی رائے درست

نہیں ہے۔ گرا پڑا مال اٹھالینا چاہیے اور معروف روایت کے مطابق ایک سال تک تعارف کرایا جائے اور اس مدت تک کوئی نہیں آیا تو اٹھانے والا استعمال کرنے میں حق بجانب ہے۔ واپس کرنے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے اگر کرے گا تو نیکی ہے۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبِیْ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ بِهٰذَا قَالَ فَلَقِیْتُهُ بَعْدُ بِمَکَّةَ، فَقَالَ لَا اَدْرِیْ اَثَلَاثَةَ اَحْوَالٍ اَوْ حَوْلًا وَاحِدًا۔

ترجمہ: شعبہ یہی حدیث سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں پھر میں سلمہ سے مکہ میں ملا تو وہ کہنے لگے میں نہیں جانتا تین سال تک بتلانے کا ذکر کیا تھا یا ایک سال تک۔

وضاحت:

یہ وہی اوپر والی بات ہے۔ ایک ذی ہوش آدمی نہیں بھول سکتا اس لیے یہ روایت مشکوک ہے۔ معروف روایت یہی ہے کہ ایک سال تک تعارف کرایا جائے گا۔

۱۱۔ باب: مَنْ عَرَّفَ اللُّقَطَةَ وَلَمْ یَدْفَعْهَا اِلَی السُّلْطَانِ

باب: اس بارے میں کہ جس نے لقطہ کا تعارف تو کرادیا لیکن حکومت کے حوالے نہیں کیا

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ رَبِیْعَةَ عَنْ یَزِیْدَ مَوْلَی الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اَعْرَابِیًا سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ قَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ أَحَدٌ" یُخْبِرُکَ بِعِفَاصِهَا وَ وِکَائِهَا وَاِلَّا فَاسْتَنْفِقْ بِهَا، وَسَاَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْاِبِلِ فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ وَقَالَ مَالَکَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْکُلُ الشَّجَرَ دَعْهَا حَتّٰی یَجِدَهَا رَبُّهَا، وَسَاَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ فَقَالَ هِیَ لَکَ اَوْلِاَخِیْکَ اَوْلِلذِّئْبِ۔

ترجمہ: زید بن خالدؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گری

بڑی چیز کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا ایک سال تک پوچھتا رہ، پھر اگر کوئی آئے اور اس کی تھیلی اور بندھن کے بارے میں ٹھیک ٹھیک بتائے تو اس کے حوالے کر دے ورنہ خرچ کر ڈال۔ اور اس نے بھولے بھٹکے اونٹ کے بارے میں پوچھا، آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، آپ نے فرمایا اونٹ سے تجھے کیا واسطہ، اس کا زاد و راحلہ اس کے ساتھ ہے، پانی پی لیتا ہے، درخت کے پتے کھا لیتا ہے۔ اس کا مالک جب آئے گا اس کو لے لے گا۔ پھر اس نے بھٹکی بکری کو پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔

وضاحت:

ایک سال تک لقطہ اٹھانے والے کی ذمہ داری ہے کہ پوچھتا رہے۔ اس کے بعد اس کی اجازت ہے کہ اس کو خرچ کر لے۔ خرچ کرنے کے بعد ودیعت یا امانت کو کائی ذکر نہیں ہے۔

۱۲۔ باب: ایک باب

۱۲۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا النَّضْرُ اَخْبَرَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ قَالَ اَخْبَرَنِی الْبَرَاءُ عَنْ اَبِی بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ عَنْ اَبِی بَكْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ انْطَلَقْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَاعِی غَنَمٍ يَسُوْقُ غَنَمَهُ فَقُلت لِمَنْ اَنْتَ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَسَمَّاهُ فَعَرَفْتُهُ، فَقُلْتُ هَلْ فِی غَنَمِکَ مِنْ لَبَنٍ، فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ هَلْ اَنْتَ حالِب" لی قَالَ نَعَمْ فَاَمَرْتُهُ فَاعْتَقَلَ شَاةً مِنْ غَنَمِهٖ ثُمَّ اَمَرْتُهُ اَنْ يَنْفُضَ ضَرْعَهَا مِنَ الْغُبَارِ ثُمَّ اَمَرْتُهُ اَنْ يَنْفُضَ كَفَّيْهِ فَقَالَ هٰكَذَا ضَرَبَ اِحْدٰی كَفَّيْهِ بِالْاُخْرٰی فَحَلَبَ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ وَقَدْ جَعَلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِدَاوَةً عَلٰی فَمِهَا خِرْقَةٌ" فَصَبَبْتُ عَلَی اللَّبَنِ حَتّٰی بَرَدَ اَسْفَلُهُ، فَانْتَهَيْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقُلْتُ اشْرَبْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَشَرِبَ حَتّٰی رَضِيْتُ۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں کو ہانکے جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کس کے چرواہے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ

قریش کے ایک شخص کا اور اس کا نام لیا تو میں اس کو پہچان گیا۔ میں نے پوچھا کیا تمہاری بکریوں میں سے دودھ مل جائے گا۔ اس نے کہا جی ہاں۔ چنانچہ اس نے دودھ دوہنے کے لیے ریوڑ میں سے ایک بکری باندھ دی۔ میں نے کہا ذرا اس کے تھن سے غبار جھاڑ لے۔ پھر اس سے میں نے کہا کہ اپنے ہاتھ بھی جھاڑ لے تو اس نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر جھاڑ لیا اور ایک پیالہ بھر دودھ نچوڑا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی کی ایک چھاگل رکھ لی تھی جس کے منہ پر کپڑا بندھا تھا تو میں نے پانی دودھ پر ڈالا اور وہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور کہا یا رسول اللہ اسے پی لیجیے تو آپ نے اتنا پیا کہ میرا دل خوش ہو گیا۔

وضاحت:

یہ ہجرت کی روایت ہے اور دوران سفر کے ایک واقعہ کی روایت کرنے والے خود حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کے دوران کہیں بٹھا کر چلا کہ کچھ کھانے پینے کا بندوبست کروں۔ راستہ میں ایک چرواہا ملا تو میں نے اس سے دودھ طلب کیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بکری کو دوہنے کے لیے کہا۔ دودھ کو پانی ملا کر ٹھنڈا کیا اور پیالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ کہ نوش فرمائیں۔ آپ نے اتنا دودھ پیا کہ میں خوش ہو گیا۔ یعنی دودھ تو پیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کلیجہ ٹھنڈا ہوا حضرت ابوبکرؓ کا۔ سبحان اللہ یہ سچی عقیدت و محبت ہے۔

روایت بہت شاندار اور ہماری تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہے۔ لیکن نہ اوپر کے ابواب سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ اوپر کے مضامین سے۔ اس بات کی کوئی عبارت بھی نہیں، گویا یہ روایت بلا عنوان درج کر دی گئی ہے۔

میری قطعی رائے یہی ہے کہ صحیح بخاری کی ترتیب و تہذیب نہیں ہو سکی اور اس کی روایت شروع ہو گئی۔ اس میں بے قاعدگیاں موجود ہیں جن سے ہمارے علماء نکتے نکالتے رہتے ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

درس موطا امام مالکؒ

باب: الْعَمَلُ فِي الْمَشْيِ اِلَى الْكَعْبَةِ

بیت اللہ تک پیدل چلنے کے بارے میں عمل

۸۔ حدّثنی یَحْییٰ عَنْ مَالِکٍ اَنَّ أَحْسَنَ مَاسَمِعَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِی الرَّجُلِ يَحْلِفُ بِالْمَشْيِ اِلَى بَيْتِ اللّٰهِ، أَوِالْمَرْأَةِ فَيَحْنَثُ أَوْ تَحْنَثُ أَنَّهُ اِنْ مَشٰی الحَالِفُ مِنْهُمَا فِی عُمْرَةٍ فَإنَّهُ يَمْشِی حَتّٰی يَسْعٰی بَيْنَ الصَّفَا وَالمَرْوَةِ، فَاِذَا سَعٰی فَقَدْ فَرَغَ وَاَنَّهُ اِنْ جَعَلَ عَلٰی نَفْسِهِ مَشْيًا فِی الحَجِّ فَإنَّهُ يَمْشِی حَتّٰی يَأْتِی مَكَّةَ، ثُمَّ يَمْشِی حَتّٰی يَفْرُغَ مِنَ المَنَاسِکِ كُلِّهَا، وَلَايَزَالُ مَاشِيًا حَتّٰی يُفِيْضَ. قَالَ مَالِک": وَلَا يَكُوْنُ مَشْی" اِلَّا فِی حَجٍّ أَوْعُمْرَةٍ.

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں کہ بہترین بات جو میں نے اہل علم سے سنی اس شخص کے بارے میں جو بیت اللہ تک پیدل چلنے کے لیے قسم کھاتا ہے، مرد یا عورت، پھر وہ حانث ہو جائے، یہ ہے کہ چلنے والے نے عمرہ کے لیے قسم کھائی ہے تو وہ پیدل چلے گا یہاں تک کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرلے۔ جب اس نے سعی کرلی تو وہ فارغ ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنے نفس کے اوپر حج کی مشی کی نیت کی ہے تو پھر وہ پیدل چلے گا یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچ جائے پھر وہ حج کے تمام مناسک پیدل ہی ادا کرے گا یہاں تک کہ طواف کر کے فارغ ہو جائے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ مشی کی نیت عمرہ اور حج کے سوا درست نہیں ہے۔

وضاحت:

امام مالک کے نزدیک پیدل چلنے کی نذر صرف مکہ کے لیے ہے، حج یا عمرہ کے لیے اور کہیں کے لیے نہیں ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ صرف تین مسجدوں کے لیے شدرحال کی اجازت ہے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اور کہیں جانا شرک ہے، چاہے داتا دربار ہو یا اور کچھ ہو، اس کو دین سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ضلالت ہے۔

اگر عمرہ پیدل کرنے کی نیت ہے تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر کے فارغ ہو جائے گا اور پیدل حج کرنے کی نیت ہے تو تمام مناسک حج پیدل چل کر کے پورا کرے گا اور طواف افاضہ کے بعد فارغ ہو گا لیکن اگر کوئی مجبوری پیش آجائے تب کیا کرے گا! میری رائے یہ ہے کہ مجبوری پیش آجائے تو سوار ہو جائے گا اور ھدی پیش کرے گا۔

باب: مَالَا يَجُوزُ مِنَ النُّذُورِ فِی مَعْصِيَةِ اللّٰهِ

وہ نذریں جو اللہ کی معصیت میں ہیں جائز نہیں

۹۔ حدّثنی يَحْیٰی عَنْ مَالِکٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ قَيْسٍ وَثَوْرِ بْنِ زَيْدِ الدِّيْلِيِّ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَحَدُهُمَا يَزِيْدُ فِی الْحَدِيْثِ عَلٰی صَاحِبِهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأٰی رَجُلًا قَائِمًا فِی الشَّمْسِ، فَقَالَ مَابَالُ هٰذَا؟ فَقَالُوا نَذَرَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ وَلَا يَسْتَظِلَّ مِنَ الشَّمْسِ، وَلَايَجْلِسَ وَيَصُومَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَجْلِسْ وَلْيُتِمَّ صِيَامَهُ. قَالَ مَالِک" وَلَمْ أَسْمَعْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَهُ بِكَفَّارَةٍ وَقَدْ أَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُتِمَّ مَاكَانَ لِلّٰهِ طَاعَةً، وَيَتْرُکَ مَاكَانَ لِلّٰهِ مَعْصِيَةً.

ترجمہ: یحییٰ روایت کرتے ہیں امام مالک سے کہ حمید بن قیس اور ثور بن زید، دونوں نے خبر دی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور ان میں سے ایک صاحب نے اپنے دوسرے ساتھی کے مقابل میں حدیث میں کچھ زیادہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان کو کیا افتاد پیش آئی ہے؟ لوگوں نے آگاہ کیا کہ انہوں نے نذر مانی ہے کہ نہ بات کریں گے، نہ دھوپ سے سایہ میں جائیں گے اور نہ بیٹھیں گے اور روزہ بھی رکھیں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ بات بھی کریں، سایہ میں جائیں اور بیٹھیں بھی، ہاں اپنے روزے پورے کریں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میں نے کسی سے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کفارہ کا حکم دیا ہو البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ہے وہ پورا کرے اور جو کام اللہ کی معصیت کے ہیں ان کو چھوڑ دے۔

وضاحت:

اس میں ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ بات بھی کریں، سایہ میں بھی بیٹھیں مہاں اپنے روزے پورے کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ عبادت کا کام ہے، نیکی ہے۔ باقی دوسری نذریں جو انہوں نے مانی تھیں سب بے عقلی کی تھیں۔ عقل (Sense) سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہماری زبان میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام نذریں جن میں عقل (Sense) نہ ہو وہ آپ سے آپ ساقط ہیں۔ لیکن جن نذروں کا تعلق عبادت اور اطاعت کے کاموں سے ہے وہ پوری کریں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو کفارہ دینا پڑے گا۔

آخر میں امام مالک نے جو کہا ہے وہ گویا انہوں نے خلاصہ نکال دیا ہے۔ معصیت کے لفظ سے ذرا حد بندی ہو جاتی ہے۔ یوں کہیے کہ نامعقول جتنے کام ہیں وہ سب ساقط ہیں۔

۱۰۔ وَحدَّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَ بْنِ سَعِیْدٍ عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ سَمِعَهُ یَقُولُ: اَتَتِ امْرَاَةٌ اِلَی عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ فَقَالَتْ اِنِّی نَذَرْتُ اَنْ اَنْحَرَ ابْنِي، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا تَنْحَرِی ابْنَکِ وَکَفِّرِی عَنْ یَمِیْنِکِ، فَقَالَ شَیْخٌ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَکَیْفَ یَکُوْنُ فِی هٰذَا کَفَّارَةٌ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْکُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ، ثُمَّ جَعَلَ

فِیْهِ مِنَ الْکَفَّارَةِ مَاقَدْرَاَیْتَ۔

ترجمہ: قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ ایک عورت عبداللہ بن عباس کے پاس آئی، اس نے کہا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ میں اپنے بیٹے کو قربان کر دوں گی تو ابن عباس نے کہا کہ اپنے بیٹے کو قربان نہ کرو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔ ایک شیخ ابن عباس کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے کہا کہ یہ کفارہ کیسے ممکن ہے؟ تو عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنی بیویوں سے ظہار کریں اور پھر اس میں کفارہ رکھا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔

وضاحت:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن عباس نے اس معاملہ کو ظہار پر قیاس کیا ہے اور جب ظہار میں کفارہ ہے تو اس میں بھی ہونا چاہئے۔ لیکن یہ دونوں چیزوں میں قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے۔ ظہار میں تو کفارہ ہونے کے لیے معقول وجہ ہے۔ یہ بات تو ضرور ہے کہ نذر میں یمین کا مفہوم تو پایا جاتا ہے۔ نذر میں اور قسم میں قدر مشترک تو ہے، میں اس کو تسلیم کرتا ہوں لیکن اس معاملہ میں ان شیخ نے جو معارضہ کیا ہے وہ میں بھی کرتا ہوں، قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے۔ اس عورت نے جو نذر مانی اس میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔ بے عقلی کی بات (Senseless) ہے۔ اس لیے وہ نذر کو ترک کر دے۔ استغفار کر لے اتنا کافی ہے۔ ظہار کا معاملہ الگ بحث ہے اس میں کفارہ ہونا چاہئے۔

۱۱۔ وَحدَّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِالْمَلِکِ الْاَیْلِیِّ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مَحَمَّدِ ابْنِ الصِّدِّیْقِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ نَذَرَ اَنْ یُطِیعَ اللّٰهَ فَلْیُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ اَنْ یَعْصِیَ اللّٰهَ فَلَا یَعْصِهِ، قَالَ یَحْیٰ وَسَمِعْتُ مَالِکًا یَقُولُ مَعْنَی قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَذَرَ اَنْ یَعْصِیَ اللّٰهِ فَلَا یَعْصِهِ اَنْ یَنْذُرَ الرَّجُلُ اَنْ یَمْشِیَ اِلَی الشَّامِ اَوْ اِلَی مِصْرَ اَوْ اِلَی الرَّبَذَةِ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِکَ، مِمَّا لَیْسَ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ اِنْ کَلَّمَ فُلَانًا اَوْمَا اَشْبَهَ ذٰلِکَ فَلَیْسَ عَلَیْهِ فِی شَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ شَیْءٌ اِنْ هُوَ کَلَّمَهُ اَوْحَنِثَ بِمَا حَلَفَ

عَلَيْهِ لِاَنَّهُ لَيْسَ لِلّٰهِ فِي هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ طَاعَةٌ" وَاِنَّمَا يُوَفّٰى لِلّٰهِ بِمَالَهُ فِيْهِ طَاعَةٌ".

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو چاہئے کہ وہ اطاعت کرے اور جس نے نذر مانی جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہے تو چاہئے کہ نہ کرے۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس نے نذر مانی اللہ کی نافرمانی کی تو وہ اسے پورا نہ کرے، اللہ کی نافرمانی کا یہ جو ارشاد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نذر مانے کہ شام تک پیدل جاؤں گا یا مصر تک جاؤں گا یا ربذۃ تک جاؤں گا یا اس طرح کی کوئی بات ہے۔ جس میں اللہ کی اطاعت نہیں ہے اس میں سے یہ ہے کہ اگر وہ فلاں شخص سے بات کرے یا اس طرح کی کوئی بات ہے تو اس کے اوپر کچھ نہیں ہے۔ اگر وہ کسی سے بات کرے یا یہ کہ وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ ان باتوں میں سے کسی بات میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ اور جس بات میں اس کے لیے اطاعت ہے اس کو پورا کیا جائے۔

وضاحت:

اصل روایت تو حضرت عائشہ ؓ کی ہے اور ٹھیک ہے۔ یہ سیدہ عائشہ ؓ کو حکمت اور دور اندیشی اور اصولی باتوں کو محفوظ رکھنے کا جو سلیقہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اس کا مظہر ہے۔ امام مالک نے جو کچھ کہا ہے وہ اس کی شرح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے وہی چیز پوری کی جائے گی کہ جس میں اس کی اطاعت ہو۔ فرض کر لیجیے کہ اس نے کہا کہ میں اس سے بات کروں تو عمرہ کے لیے جاؤں گا تب مسئلہ مشکل ہو جائے گا یا کہے کہ قربانی کروں گا یا اتنا صدقہ کروں گا اور اس میں حانث ہو جائے تو کفارہ دینا چاہئے۔

باب اللَّغْوُ فِي الْيَمِينِ

لغو قسموں کے بارے میں

۱۲۔ حدَّثنی یَحْییٰ عَنْ مَالِکٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ

الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ: لَغْوُ الْيَمِيْنِ قَوْلُ الْاِنْسَانِ وَاللّٰهِ لَا وَاللّٰهِ، قَالَ مَالِکٌ": اَحْسَنُ مَاسَمِعْتُ فِي هٰذَا أَنَّ اللَّغْوَ حَلِفُ الْاِنْسَانِ عَلَى الشَّيْءِ يَسْتَيْقِنُ اَنَّهُ كَذٰلِکَ، ثُمَّ يُوْجَدُ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِکَ فَهُوَ اللَّغْوُ، قَالَ مَالِکٌ": وَعَقْدُ الْيَمِيْنِ أَنْ يَحْلِفَ الرَّجُلُ أَنْ لَا يَبِيْعَ ثَوْبَهُ بِعَشَرَةِ دَنَانِيْرَ ثُمَّ يَبِيْعَهُ بِذٰلِکَ أَوْيَحْلِفَ لَيَضْرِبَنَّ غُلَامَهُ ثُمَّ لَايَضْرِبُهُ وَنَحْوَ هٰذَا فَهٰذَا الَّذِيْ يُكَفِّرُ صَاحِبُهُ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَلَيْسَ فِي اللَّغْوِ كَفَّارَةٌ". قَالَ مَالِکٌ": فَأَمَّا الَّذِيْ يَحْلِفُ عَلَى الشَّيْءِ، وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ آثِمٌ، وَيَحْلِفُ عَلَى الْكَذِبِ وَهُوَ يَعْلَمُ لِيُرْضِيَ بِهِ أَحَدًا أَوْلِيَعْتَذِرَ بِهِ إِلٰى مُعْتَذِرٍ اِلَيْهِ اَوْ لِيَقْطَعَ بِهِ مَالًا، فَهٰذَا أَعْظَمُ مِنْ أَنْ تَكُوْنَ فِيْهِ كَفَّارَةٌ".

ترجمہ: عروۃ بن زبیر حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہا کرتی تھیں کہ کسی شخص کا واللہ، لا واللہ کہنا ایک لغو قسم ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس بارے میں بہترین بات جو میں نے سنی ہے وہ یہ ہے کہ لغو قسم انسان کی کسی شئے پر اس شکل میں ہے کہ جب وہ کسی بات کے لیے یقین رکھتا ہو کہ یہ بات اس طریقے سے ہے اور وہ اس پر قسم کھا بیٹھے اور پھر وہ اس کو اس کے برخلاف پائے تو وہ لغو ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ عقد یمین (پکی قسم) یہ ہے کہ وہ یہ کپڑا دس درہم سے کم پر نہیں بیچے گا اور پھر وہ اس کو اس سے کم پر بیچ دے یا یہ کہ وہ قسم کھالے کہ اپنے غلام کی ضرور پٹائی کرے گا لیکن وہ نہ کرے یا اسی طرح کی اور بات کرے تو یہ بات ایسی ہے کہ جس میں وہ کفارہ ادا کرے گا۔ اور کہتے ہیں کہ لغو میں کفارہ نہیں ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ رہی وہ قسم کہ جس میں آدمی جان بوجھ کر قسم کھاتا ہے اور جانتا ہے وہ ایک برا کام کر رہا ہے یا جانتا ہے کہ جھوٹی قسم ہے اور اس سے کسی کو خوش کر دے یا کسی کی آگے معذرت پیش کر دے کہ جس کے آگے اس کو معذرت پیش کرنی ہے کہ اس کے ذریعہ سے کوئی مال اینٹھ لے، کہتے ہیں کہ یہ اس قسم سے زیادہ ہے کہ یہ کفارے سے دھلے۔

وضاحت:

حضرت عائشہؓ والی بات بالکل ٹھیک ہے اور کافی ہے۔ جس قسم میں ارادہ تعمد قلب کے ساتھ نہیں پایا جاتا

وہ قسم لغو ہے۔ لیکن جہاں کہیں تعمد قلب ہو، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ تو قسم کے حکم میں ہوگا اور اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو قسم کی نوعیت کے اعتبار سے جھگڑا پیدا ہوگا اور وہ فقہ کے دائرہ میں آ جاتی ہے۔ لغو کے لفظ سے تعبیر کر کے قرآن نے تعلیم دے دی ہے کہ مہذب آدمی کو، معقول مسلمانوں کو یہ زیب نہیں دیتی۔ کوئی ثقہ آدمی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ مہذب آدمی کو لغو کام نہیں کرنا چاہئے۔

امام مالک نے ایک خاص قسم کو لے کر یہ کہا کہ بہترین بات یہ ہے۔ بہترین بات اس اعتبار سے تو ہے کہ ایک قسم آپ نے متعین کر دی کہ ایک بات میں آپ نے قسم کھائی کہ یوں ہے لیکن اندازہ نکلا کہ یوں نہیں یوں ہے اور اس میں تو تعمد پایا جا رہا ہے۔ اس وقت بھی تعمد تھا جب اس نے قسم کھائی اور جب پھر رہا ہے تب بھی تعمد کے ساتھ پھر رہا ہے۔ وہ تو قسم غلط ہوگئی اگر اس سے آپ برگشتہ ہوں گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے صحیح رخ اختیار کر لیا اور وہ آپ کی توبہ ہوگی اور کوئی وجہ نہیں کہ اس پر کفارہ ہو۔ آپ نے قسم کھائی کہ میں جانتا ہوں لیکن معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں تھی تو وہ ایک غلطی کی اصلاح ہوگئی۔ یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ امام مالک اس کو بہترین بات کیوں کہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ لغو چیز میں سے ایک یہ بھی ہے۔

امام مالک کہتے ہیں کہ عقد یمین یعنی پکی قسم یہ ہے کہ آدمی قسم کھائے کہ وہ کپڑا دس درہم سے کم پر نہیں بیچے گا اور پھر اس کو اس سے کم پر بیچ دے یا قسم کھائے کہ اپنے غلام کی ضرور پٹائی کرے گا اور پھر نہ کرے تو یہ وہ قسم ہے جس پر کفارہ ادا کرے گا۔ اب یہ ہے کہ لغو قسم میں اور حقیقی قسم میں قرآن والا فرق کیجیے کہ جہاں تعمد پایا جاتا ہے، مخاطب کو دھوکا دینا مقصود ہے تو وہ قسم عقد یمین کے حکم میں ہوگی۔

آخر میں امام مالک کہتے ہیں کہ وہ قسم جو آدمی جان بوجھ کر کھاتا ہے، جانتا ہے کہ جھوٹ ہے اور اس لیے کھاتا ہے کہ کسی کو خوش کر دے یا کسی کے آگے اپنی معذرت پیش کر دے یا اس کے ذریعہ سے کوئی مال اینٹھ لے، کہتے ہیں کہ یہ قسم اس سے زیادہ ہے کہ کفارہ سے دھلے۔ یہ قسم کفارہ سے بھی نہیں دھلتی اور یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے لیے کفارہ نہیں بلکہ توبہ اور اصلاح ضروری ہے (سورۂ نساء کی آیت 17, 18)

باب: مَالَا تَجِبُ فِيْهِ الْكَفَّارَةُ مِنَ الْيَمِيْنِ

وہ قسمیں جن میں کفارہ نہیں ہے

۱۳۔ حدّثنی یَحْییٰ عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ:

مَنْ قَالَ وَاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ لَمْ يَفْعَلِ الَّذِی حَلَفَ لَمْ يَحْنَثْ۔ قَالَ مَالِکٌ" اَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِی الثُّنْيَا اَنَّهَا لِصَاحِبِهَا مَالَمْ يَقْطَعْ كَلَامَهٗ وَمَا كَانَ مِنْ ذٰلِکَ نَسَقًا يَتْبَعُ بَعْضُهٗ بَعْضاً قَبْلَ اَنْ يَسْكُتَ، فَاِذَا سَكَتَ وَقَطَعَ كَلَامَهٗ فَلَا ثُنْيَالَهٗ۔ قَالَ يَحْيیٰ، وَقَالَ مَالِکٌ" فِی الرَّجُلِ يَقُوْلُ كَفَرَ بِاللّٰهِ، اَوْ اَشْرَکَ بِاللّٰهِ ثُمَّ يَحْنَثُ اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ، وَلَيْسَ بِكَافِرٍ وَلَا مُشْرِکٍ حَتّٰی يَكُوْنَ قَلْبُهٗ مُضْمِرًا عَلَی "الشِّرْکِ وَالْكُفْرِ وَلْيَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ، وَلَا يَعُدْ اِلٰی شَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ وَبِئْسَ مَا صَنَعَ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ یہ فرماتے تھے کہ جس نے کہا اللہ کی قسم، کسی بات پر کہ میں یہ کروں گا، پھر اس نے کہا انشاء اللہ پھر اس نے وہ کام نہیں کیا جس پر اس نے قسم کھائی تھی تو وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ بہترین بات جو میں نے الثنیا (یعنی انشاء اللہ کے بارے میں) سنی وہ یہ ہے کہ آدمی جب تک کہ کلام قطع نہ کرے اور بات میں تسلسل ہو اور اس کے خاموش ہونے سے پہلے اس کے کلام کا حصہ ایک کے بعد دوسرا جاری رہے تو وہ الثنیا میں داخل ہے پھر جب وہ خاموش ہوگیا اور قطع کلام ہوگیا تو الثنیا نہیں ہے۔ یحیٰ کہتے ہیں کہ مالک کا فتویٰ اس شخص کے بارے میں جس نے اپنے کو کہا کہ میں کافر ہوں گا یا میں مشرک ہوں گا اگر میں یہ کام کروں پھر وہ حانث ہو جاتا ہے یعنی وہ کام کر دیتا ہے تو اس پر کفارہ نہیں اور اس سے کوئی شخص کافر بھی نہیں ہوگا اور مشرک بھی نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنے قلب میں کفر اور شرک کا ارادہ نہ کرتا ہو البتہ یہ چاہئے کہ وہ استغفار کرے اور اس طرح کی بات پھر نہ کرے اس لیے کہ اس نے بہت بری حرکت کی۔

وضاحت:

''ثنیا'' ایک اصطلاح ہے اس کے معنی انشاء اللہ ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے پر اللہ کی قسم کھالے پھر ان شاء اللہ کہے پھر اس نے وہ کام نہیں کیا جس پر اللہ کی قسم کھائی تھی تو وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ اس پر امام مالک کہتے ہیں کہ بہترین بات اس بارے میں یہ ہے کہ انشاء اللہ کلام کے تسلسل میں کہے۔ یہ نہیں کہ اس نے اللہ کی قسم کھائی اور

پھر دوسرا ذکر چھیڑا، قطع کلام ہو گیا اور پھر ان شاء اللہ کہا تو یہ انشاء اللہ کہنا کافی نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ کسی فقیہ کے سامنے جھگڑا آئے گا تو اس کو بعض چیزوں کو معلوم کرنا پڑے گا، اگر چپ ہو گیا تھا، قطع کلام ہو گیا تو فلا ثنیا لہ یہ بات ٹھیک ہے۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ جذبات میں کہہ دیتے ہیں کہ میں مسلمان نہیں اگر میں یہ کروں یا کہوں۔ تو امام مالک کہتے ہیں کہ اس پر کفارہ نہیں اور اس سے کوئی شخص کافر بھی نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے قلب میں کفر اور شرک کا ارادہ نہ کرتا ہو۔ البتہ اس کو چاہئے کہ استغفار کرے اور دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے اس لیے کہ اس نے بہت بری حرکت کی۔ یہ بات امام مالک نے ٹھیک کہی، ہم بھی مانتے ہیں۔

باب: مَاتَجِبُ فِيْهِ الْكَفَّارَةُ مِنَ الْاَيْمَانِ

جن قسموں پر کفارہ واجب ہوگا

۱۴۔ حدَّثنی یَحْییٰ عَنْ مَالِکٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِی صَالِحٍ عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ حَلَفَ بِيَمِيْنٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَلْيَفْعَلِ الَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ"۔ قَالَ يَحْييٰ وَسَمِعْتُ مَالِكًا يَقُوْلُ مَنْ قَالَ عَلَیَّ نَذْرٌ" وَلَمْ يُسَمِّ شَيْئاً إِنَّ عَلَيْهِ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ. قَالَ مَالِک" فَأَمَّا التَّوْكِيْدُ فَهُوَ حَلِفُ الْإِنْسَانِ فِی الشَّیْءِ الْوَاحِدِ مِرَارًا يُرَدِّدُ فِيْهِ الْاَيْمَانَ يَمِيْنًا بَعْدَ يَمِيْنٍ كَقَوْلِهِ وَاللّٰهِ لَا أَنْقُصُهُ مِنْ كَذَا وَكَذَا يَحلِفُ بِذٰلِکَ مِرَارًا ثَلَاثًا، أَوْأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ فَكَفَّارَةُ ذٰلِکَ كَفَّارَةٌ" وَاحِدَةٌ" مِثْلُ كَفَّارَةِ الْيَمِيْنِ، فَإِنْ حَلَفَ رَجُلٌ" مَثَلاً فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا آكُلُ هٰذَا الطَّعَامَ، وَلَاأَلْبَسُ هٰذَا الثَّوْبَ، وَلَا أَدْخُلُ هٰذَا الْبَيْتَ فَكَانَ هٰذَا فِی يَمِيْنٍ وَاحِدَةٍ فَإِنَّمَا عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ" وَاحِدَةٌ"، وَإِنَّمَا ذٰلِکَ كَقَوْلِ الرَّجُلِ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ الطَّلَاقُ إِنْ كَسَوْتُکِ هٰذَا الثَّوْبَ وَأَذِنْتُ لَکِ إِلَى الْمَسْجِدِ يَكُوْنُ ذٰلِکَ نَسَقاً مُتَتَابِعاً فِی كَلَامٍ وَاحِدٍ، فَإِنْ حَنِثَ فِی شَیْءٍ وَاحِدٍ مِنْ ذٰلِکَ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ وَلَيْسَ عَلَيْهِ فِيْمَا فَعَلَ بَعْدَ ذٰلِکَ حِنْثٌ" إِنَّمَا الْحِنْثُ فِی

ذٰلِکَ حِنْثٌ" وَاحِدٌ"۔ قَالَ مَالِک" الْاَمْرُ عِنْدَنَا فِی نَذْرِ الْمَرْأَةِ إِنَّهُ جَائِزٌ" بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا يَجِبُ عَلَيْهَا ذٰلِکَ، وَيَثْبُتُ إِذَاكَانَ ذٰلِکَ فِی جَسَدِهَا وَكَانَ ذٰلِکَ لَايَضُرُّ بِزَوْجِهَا، وَإِنْ كَانَ ذٰلِکَ يَضُرُّ بِزَوْجِهَا فَلَهُ مَنْعُهَا مِنْهُ وَكَانَ ذٰلِکَ عَلَيْهَا حَتّٰى تَقْضِيَهُ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی بات پر پکی قسم کھالی کہ یہ کروں گا پھر اس نے دیکھا کہ دوسری بات اس سے بہتر ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور جو بہتر پایا ہے اس کو اختیار کرے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جس نے کہا میرے اوپر نذر ہے اور متعین نہیں کیا کہ کیا نذر ہے تو کہتے ہیں کہ اس کے اوپر کفارہ یمین ہوگا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ توکید کی قسم سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی چیز پر قسم کھاتا ہے جس میں قسم کو کئی مرتبہ دہرائے جیسے کہ اللہ کی قسم میں اس میں کمی نہیں کروں گا اور اس طرح کروں گا اور کئی بار اس میں قسم کھاتا ہے، تین بار یا اس سے زیادہ تو کہتے ہیں کہ اس طرح کی کوئی قسم کھائے گا تو اس سے ایک ہی کفارہ ہوگا، کفارہ واحد، جس طرح کہ کفارہ یمین میں ہے۔ اور اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا یا یہ کپڑا نہیں پہنوں گا یا اس گھر میں نہیں داخل ہوں گا تو کہتے ہیں کہ وہ ایک ہی قسم ہوگی اور ایک ہی کفارہ دینا پڑے گا۔ کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہے تجھ پر طلاق اگر میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا یا اگر تمہیں مسجد جانے کی اجازت دی اور یہ ایک ہی تسلسل میں بات کہی گئی تو اگر وہ اس میں سے کسی ایک بات کا حانث ہوگا تو اس کے اوپر طلاق واجب ہو جائے گی اور اس کے اوپر ان باتوں میں سے جو اس نے بعد میں کہی ہیں کسی کا بھی حانث نہیں ہوگا، اس میں وہ صرف ایک ہی بات کا جو پہلے کہا ہے حانث ہوگا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ عورت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے اجازت لیے بغیر کوئی نذر مانے۔ اس کے اوپر نذر واجب ہو جائے گی اور یہ ثابت ہوگی اس شکل میں جب کہ وہ اس عورت کے تن بدن سے متعلق ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ اس کے شوہر کے لیے مضر نہ ہو۔ اگر اس کے شوہر کے لیے مضر ہو تو وہ اس سے روک سکتا ہے، اور وہ اس پر اس وقت تک واجب رہے گی جب تک کہ وہ پوری نہ کرے۔

وضاحت:

اس روایت میں امام مالک نے تین چار باتیں جمع کر دی ہیں۔

پہلی بات کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ کسی شخص نے ایک بات کرنے کی قسم کھالی اور پھر اس نے دیکھا کہ دوسری بات اس بارے میں پہلی بات سے بہتر ہے تو کہتے ہیں کہ جو بات زیادہ بہتر اس نے پائی ہے اس کو اختیار کرے اور جو قسم کھائی تھی اس کا کفارہ دے تو یہ ٹھیک ہے، قسم کا کفارہ دینا چاہئے اور جو زیادہ بہتر پایا ہے اس کو اختیار کرے۔

دوسری بات جو امام مالک فرماتے ہیں کہ جس نے کہا کہ میرے اوپر نذر ہے اور متعین نہیں کیا کہ کیا نذر ہے تو کہتے ہیں کہ اس کے اوپر کفارہ یمین ہوگا۔ یعنی یہ کہنے کو کہ میرے اوپر نذر ہے وہ قسم مان لیتے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ اتنی مبہم بات ہے کہ کچھ نہیں معلوم کہ کیا نذر ہے، تو یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔

پھر امام مالک کہتے ہیں کہ کسی بات پر کوئی شخص کئی بار قسم کھاتا ہے، تین بار یا اس سے زیادہ تو گویا قسم میں توکید ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ اس طرح کی اگر کوئی قسم کھالے گا تو 'کفارہ واحدہ' ایک ہی کفارہ ہوگا اگرچہ اس نے قسم کھائی تین بار یا اس سے زیادہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی قسم کی توکید ہے اگرچہ اس نے اس کو کئی بار گھسا ہو۔ اس کے گھسنے سے قسم میں تعدد نہیں ہو جائے گا۔

امام مالک کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تجھ پر طلاق اگر میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا یا اگر تجھ کو مسجد جانے کی اجازت دی اور یہ ایک ہی تسلسل میں بات کہی، ایک ہی کلام میں تو اگر وہ حانث ہوگا تو ان میں سے ایک ہی چیز واقع ہوگی۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ ایک بات ایک وقت میں قسم مان لی جائے گی اور اس کی ذمہ داری عائد کی جائے گی اور اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں اگر مسجد میں جانے کی اجازت دی تو یہ چیز اس سلسلہ میں نہیں لی جائے گی، وہ یہ کہنا چاہتے ہیں۔

امام مالک کہتے ہیں کہ عورت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کے اذن کے بغیر کوئی نذر مانے۔ اس کے اوپر وہ نذر واجب ہو جائے گی اور یہ ثابت ہوگی اس شکل میں کہ وہ اپنے تن بدن سے متعلق ہو یعنی مال میں نہیں ہو گی اس لیے کہ مال تو شوہر کا ہے، اس کو الگ کر لیا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ شوہر کے لیے مضر نہ ہو لیکن جب اپنے تن بدن کے متعلق ہوگی تو شوہر ہر چیز میں نکال سکتا ہے کہ یہ میرے لیے مضر ہے تو یہ بات کچھ نہیں ہے کہ جب کہ وہ شوہر کے لیے مضر نہ ہو۔ میرا خیال ہے کہ بہر حال فقہ آخر کوئی چیز ہے تو فقہ کے جو حقوق میں اس میں اس کے لحاظ سے کافی ہیں۔

باب: الْعَمَلُ فِی كَفَّارَةِ الْيَمِينِ

قسم کے کفارہ کے بارے میں عمل

۱۵۔ حدّثنی یَحْیٰی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: مَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ فَوَكَّدَهَا ثُمَّ حَنِثَ، فَعَلَيْهِ عِتْقُ رَقَبَةٍ، أَوْكِسْوَةُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ، وَمَنْ حَلَفَ بِيَمِينٍ فَلَمْ يُوَكِّدْهَا ثُمَّ حَنِثَ، فَعَلَيْهِ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ، لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدٌّ" مِنْ حِنْطَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جس نے کوئی قسم کھائی اور اس کو مؤکد کر دیا پھر وہ حانث ہوا تو اس کے ذمہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا ہے اور جس نے قسم کھائی اور اس کو مؤکد نہیں کیا اور پھر حانث ہو گیا تو دس مساکین کو کھانا کھلائے گا، ہر مسکین کے لیے ایک مُد گندم اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

وضاحت:

میرے نزدیک یہ ہے کہ قسم جیسی کچھ بھی ہو اس کا کفارہ وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ (مائدہ۔۹۸) عبداللہ بن عمرؓ مؤکد کے لیے ایک نئی شق نکالتے ہیں۔ وہ ان کی احتیاط ہے۔ ان کا یہ پہلو تو بہت شاندار ہے کہ ان کے بارے میں بے احتیاطی کا شبہ نہیں ہے لیکن یہ بات کہ ہر جگہ ان کا معیار آپ کے معیار سے اونچا ہی رہے تو یہ تشدد ہے جو عام فقہ میں تو نہیں چل سکتا۔

۱۶۔ وحدّثنی عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ أَنَّهُ كَانَ يُكَفِّرُ عَنْ يَمِينِهِ بِإِطْعَامِ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ مُدٌّ" مِنْ حِنْطَةٍ، وَكَانَ يَعْتِقُ الْمِرَارَ إِذَا وَكَّدَ الْيَمِينَ۔

ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ کفارہ دیتے تھے اپنی قسم کا دس مسکین کا کھانا، ہر مسکین کو ایک مد گندم اور بار بار آزاد کرتے تھے اگر قسم موکد کر دیتے تھے۔

وضاحت:

بار بار آزاد کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ آج آزاد کیا پھر کوئی مل گیا تو آزاد کر دیا تو یہ چیز ان کا اپنا اہتمام ہے۔ مؤطا کی خاص بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی تمام ترفقہ اس میں ہے۔ میرے نزدیک ایک ہی کفارہ ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔

۱۷۔ وحدّثنی عَنْ مَالِکٍ عَنْ یَحْیَیٰ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ اَنَّہُ قَالَ: أَدْرَکْتُ النَّاسَ وَھُمْ اِذَا أَعْطَوْا فِی کَفَّارَۃِ الْیَمِیْنِ اَعْطَوْا مُدًّا مِنْ حِنْطَۃٍ بِالْمُدِّ الْاَصْغَرِ وَرَأَوْا ذٰلِکَ مُجْزِئاً عَنْھُمْ. قَالَ مَالِکٌ" أَحْسَنُ مَا سَمِعْتُ فِی الَّذِیْ یُکَفِّرُ عَنْ یَمِیْنِہٖ بِالْکِسْوَۃِ اَنَّہُ اِنْ کَسَا الرِّجَالَ کَسَاھُمْ ثَوْباً ثَوْباً، وَاِنْ کَسَا النِّسَاءَ کَسَاھُنَّ ثَوْبَیْنَ ثَوْبَیْنَ دِرْعًا وَخِمَارًا، وَذٰلِکَ أَدْنَی مَا یُجْزِیءُ کُلًّا فِی صَلَاتِہٖ.

ترجمہ: سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ جب کفارہ یمین ادا کرتے تھے تو ایک مدگندم مد اصغر سے دے دیتے تھے اور اس کو کافی سمجھتے تھے۔ مالک کہتے ہیں کہ کفارہ یمین جو لباس کے ذریعہ سے ہو اس کے بارے بہترین بات جو میں نے سنی یہ ہے کہ اگر مردوں کو کپڑے پہنائے تو ایک ایک کپڑا دے اور اگر عورتوں کو دے تو دو، ایک کرتا اور ایک اوڑھنی۔ اتنا کپڑا ہر ایک کے لیے نماز میں کافی ہوگا۔

وضاحت:

مد اصغر سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا مد ہے۔ لوگ ایک مد اصغر گندم کفارہ یمین دے دیتے تھے۔ یہ اہل مدینہ کا عمل بتایا ہے اور اس کو کافی سمجھتے تھے۔ یہی میرا مذہب ہے۔ امام مالک کے نزدیک اگر کوئی کپڑے پہنانا چاہتا ہے تو مردوں کو ایک ایک کپڑا دے اور عورتوں کو دو، ایک کرتا اور ایک اوڑھنی۔ بنیاد اس فتویٰ کی یہ ہے کہ اتنا ہی کپڑا ہر ایک کے لیے نماز میں کافی ہوگا۔

محبوب سبحانی

انبیاء کی مشترک خصوصیات -1

انبیائے کرام کے گروہ کی بعض مشترک خصوصیات اور صفات ایسی نمایاں ہیں کہ ان کے حامل تمام دنیا سے الگ نظر آتے ہیں۔ نہ تو یہ ممکن ہے کہ کوئی جھوٹا مدعی ان کے اندر داخل ہو سکے اور نہ ہی اس کا امکان ہے کہ ان کے اندر جو شامل ہے اس کو ان کے زمرے سے الگ کیا جا سکے۔

اس گروہ میں شامل افراد اپنے معاشرہ کے بہترین افراد ہوتے ہیں وہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ ہوتے ہیں، صادق و امین ہوتے ہیں، انسانی ہمدردی میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں اور اپنے معاشرہ میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جہاں تک فطرت کا تعلق ہے وہ بعثت سے پہلے بھی فطرت اللہ پر ہوتے ہیں اس لیے وہ نخل فطرت کا بہترین ثمر ہوتے ہیں۔ انہیں جو جستجو ہوتی ہے وہ خدا کی نہیں بلکہ خدا کی مرضیات اور اس کے احکام کی ہوتی ہے۔ خدا کے وجود کو وہ اپنی فطرت سلیم کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں البتہ خدا کی مرضیات کی جستجو دراصل ان کی فطرت سلیم ہی کی پیاس ہوتی ہے۔ جو اپنے بلوغ پر بھڑکتی ہے اور سیرابی اور آسودگی کی خواہاں ہوتی ہے۔ یہ سیرابی انہیں وحی کے ابر نیساں سے حاصل ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے وحی کی حیثیت تاریکی کے اندر روشنی کی نہیں بلکہ روشنی کے اوپر روشنی کی ہوتی ہے۔ نورٌ علیٰ نور۔ کیونکہ ان کا باطن وحی کے نور سے منور ہونے سے پہلے بھی نور فطرت سے نورانی ہوتا ہے۔

عصمت انبیاء

اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو بعثت سے قبل بھی گناہوں کی آلودگی سے محفوظ رکھتا ہے یعنی وہ معصوم ہوتے ہیں۔ معصوم ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان سے گناہ کرنے کی صلاحیت اور قوت سلب کر لی جاتی ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ برابر اپنے نور فطرت کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ جس کے باعث یہ نور اتنا قوی ہو جاتا

ہے کہ سخت سے سخت آزمائش کے موقع میں بھی وہ ان کو بے راہ نہیں ہونے دیتا۔

رسولوں کی کڑی نگرانی

اللہ تعالیٰ جن کو منصب رسالت پر مامور فرماتا ہے ان کی کڑی نگرانی بھی کرتا ہے۔ کیونکہ ان کی تحویل میں وحی کا خزانہ ہوتا ہے جس کی حفاظت ضروری ہوتی ہے رسول کی مجال نہیں کہ وہ اپنی طرف سے اس میں کوئی ردوبدل کر سکے۔ خدا کا کوئی بھی سچا رسول نہ خدا پر کوئی افترا کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کے دباؤ میں آ کر پیغام میں کوئی کمی بیشی کر سکتا ہے بعثت کے بعد بھی رسولوں کو جو عصمت حاصل ہوتی ہے اس کی حکمت بھی یہی ہے کہ ان کی امانت میں خدا کی شریعت ہوتی ہے ان کی معمولی سی چوک اور غلطی پوری خلق کے لیے موجب فتنہ بن سکتی ہے اس وجہ سے ان سے کوئی معمولی سی فروگذاشت بھی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فوراً درست کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جانب خیر میں بھی اگر وہ کوئی ایسا قدم اٹھاتا نظر آتا ہے جو اعتدال سے ہٹا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ صحیح سمت میں اس کی رہنمائی فرماتا ہے کیونکہ رسول ہر معاملہ میں کسوٹی ہوتا ہے اگر کسوٹی میں معمولی سا بھی نقص ہو جائے تو سارا توازن بگڑ جاتا ہے قرآن میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ اگر رسول سرمو بھی کوئی بات ہم سے غلط منسوب کر لے تو ہم اس کو اپنے قوی بازو سے پکڑیں اور اس کی شہ رگ ہی کاٹ دیں پھر کوئی اس کو ہم سے بچانے والا نہیں بن سکتا۔

پیغمبر کا رجحان ہر حالت میں بھلائی اور نیکی ہی کی طرف ہوتا ہے اس کا دل ہوا و ہوس کی آلودگیوں سے بالکل پاک ہوتا ہے اس کا ہر قدم صرف مرضیات الٰہی کی راہ میں اٹھتا ہے۔ لیکن اس راہ میں وہ کبھی کبھی افراط کی حالت اختیار کر لیتا ہے تو جب بھی ایسا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حق و اعتدال کی صحیح راہ پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے کیونکہ پیغمبر اپنی قوم کے لیے نمونہ ہوا کرتا ہے اس کی چھوٹی بڑی بات پیروی و اقتدار کے لیے ہوتی ہے پس اس کے کسی فعل میں اگر افراط کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جائے تو اس سے تمام امت کی راہ کج ہو سکتی ہے۔

مشترک مقصد

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم تک ہر زمانہ، ہر دور، ہر قوم، ہر معاشرہ، ہر قبیلہ اور ہر آبادی میں ایک تسلسل سے انبیائے کرام تشریف لائے جنہوں نے سب کو ایک ہی پیغام دیا اور ایک ہی سرمدی نغمہ سنایا۔ تمام نبیوں نے لوگوں کو ایک ہی خدائے وحدہ لاشریک کی طرف بلایا اور روز قیامت کے محاسبہ سے

ڈرایا۔ انبیاء کا مشترک مشن لوگوں کو بشارت دینا اور خطرہ سے آگاہ کرنا ہے۔ بشارت اس بات کی کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور عمل صالح کی زندگی اختیار کریں گے ان کے لیے ابدی زندگی کی خوشیاں اور کامرانیاں ہیں۔ آگاہی اس بات کی کہ جو لوگ کفر اور بدعملی کی راہ اختیار کریں گے ان کے لیے دائمی عذاب نار ہے۔ اس سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کا سرچشمہ ایک ہی ذات سرمدی ہے۔ سب اسی چشمہ سے سیراب ہوئے ہیں سب ایک ہی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اسی لیے ان کی بنیادی تعلیم میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اس کائنات کے بنیادی حقائق ایک ہی ہو سکتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف سورۃ شوریٰ میں توجہ دلائی گئی ہے فرمایا:

> ''اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کی تعلیم نوح کو دی اور جس کی وحی ہم نے تم کو کی اور جس کی تلقین ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی کی کہ اللہ کے دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ برپا کرو۔ مشرکین پر وہ چیز شاق گذر رہی ہے جس کی تم ان کو دعوت دے رہے ہو۔ (13)

مشہور عیسائی متکلم سینٹ آگسٹائن نے بھی یہی لکھا ہے کہ انبیاء کی دعوت میں تسلسل ہے ان کی دعوت شروع ہی سے ایک ہی رہی ہے۔ جبکہ فلسفیوں اور دوسرے مفکرین کے خیالات میں بڑا اختلاف، انتشار اور تضاد پایا جاتا ہے۔

انبیاء کی ضرورت

دنیا میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کرنے اور انبیائے کرام کو بھیجنے کی ضرورت یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے۔ یہ کہنے کا موقع کسی کے لیے باقی نہ رہے کہ ان کے پاس اس خطرے سے آگاہ کرنے والا کوئی نہیں آیا ورنہ وہ ہرگز کفر و بدعملی کی راہ اختیار نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اس لیے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ وہ کسی کو سزا دے تو اتمام حجت کے بعد دے یہ حجت رسولوں کے آنے کے بعد پوری ہو گئی۔ عقل و فطرت کی شہادت، ایمان باللہ، ایمان بالآخرت، نیکی و عدل سے محبت، ظلم و گناہ سے نفرت انسان کے اندر ودیعت تھی جو انبیاء کرام نے پوری طرح آشکارا کر دی۔ ان کے جو تقاضے ہو سکتے تھے وہ بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے۔ اب اگر کوئی ٹھوکر کھاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں آنکھیں رکھتے ہوئے پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھاتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انسانی فطرت خیر و شر کے شعور سے محروم نہیں ہے اور نہ عقل حق و باطل کے امتیاز سے قاصر ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم پر پیدا کیا اور اس کو خیر و شر کی معرفت بخشی لیکن اس کی رحمت کا تقاضا ہوا کہ وہ عقل و فطرت کی رہنمائی کے ساتھ وحی اور انبیاء کی رہنمائی سے بھی اس کو نوازے تاکہ عقل و فطرت کے تقاضے بالکل برہن ہو کر اس کے سامنے آجائیں اور گمراہی کا ادنیٰ عذر بھی باقی نہ رہ جائے۔

دعوت کا ردعمل

انبیاء علیہ السلام کو تبلیغ دین کے دور میں کم و بیش ایک جیسے حالات سے سابقہ پڑا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ انبیائے کرام نخل فطرت کا بہترین ثمر ہیں۔ اس لیے منصب رسالت پر سرفراز ہونے سے پہلے بھی وہ اپنی پوری قوم میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں اور پاکیزہ اخلاق و اوصاف کی وجہ سے نہایت ممتاز ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے اس وصف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب وہ نبوت کے دعویٰ کا ساتھ سامنے آتے تو لوگ سنجیدگی سے ان کی بات پر غور کرتے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انبیاء کی قوموں کا معاملہ بالعموم اس کے برعکس رہا۔ انہوں نے جب اپنی دعوت کا آغاز کیا تو مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کے اپنے بھی پرائے ہو گئے۔ پہلے یہ لوگ اپنے معاشرہ کے صالح اور صائب الرائے افراد شمار ہوتے تھے لیکن بعد میں یہ مجنون سر پھرے اور سودائی کہلائے۔ ان کی دعوت جوں جوں پھیلی معاشرہ تقسیم ہونے لگا۔ باپ بیٹے کا دشمن ہو گیا۔ بیوی شوہر سے بدظن ہو گئی۔ بھائی بھائی کا مخالف ہو گیا۔ بعض اوقات دشمنی اس قدر بڑھی کہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے لوگ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ قوم کے لوگوں نے ان سے کہا کہ ہمیں تم سے بڑی امیدیں تھیں کہ تم باپ دادا کا نام روشن کرو گے اور دین آبائی کی عزت و عظمت میں اضافہ کرو گے لیکن تم اچھے نکلے کہ ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے روکنے اٹھ کھڑے ہوئے جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔

چند لوگ جوان پر ایمان لائے وہ وہی تھے جو پہلے ہی سے معاشرہ کی برائیوں سے پریشان تھے اور معاشرہ سے انھوں نے خود کو الگ تھلگ کر لیا تھا اور کسی ہدایت کے پہلے سے منتظر تھے۔ قبیلوں کے سردار اور دولت مند لوگ پہلے تو نبیوں کا مذاق اڑاتے رہے لیکن جب ان کا یہ حربہ انبیا کے قدم روکنے میں ناکام ہوا تو وہ بھی ان کے دشمن ہو گئے۔ صرف سلیم الطبع لوگوں نے نبیوں کی دعوت کو اپنے دل کی صدا سمجھ کر قبول کر لیا۔ اور نبی کے ساتھی بن گئے۔

انتہائی کٹھن اور مشکل حالات اور مصائب کے باوجود انبیاء علیہم السلام نے اپنا مشن نہ صرف جاری رکھا

بلکہ اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنے پر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے۔ جان لیوا اور صبر آزما حالات میں بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ انھیں دعوت میں ترمیم کرنے یا دعوت کو ترک کرنے کے عوض قوم کی سرداری اور دوسری بھاری پیشکشیں ہوئیں لیکن انھوں نے ان کو مسترد کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ انھیں اس دعوت میں ترمیم کا کوئی حق نہیں ہے۔ خدا کی طرف سے وہ جس دعوت کو عام کرنے پر مامور ہوئے ہیں اس میں کسی تبدیلی کا انھیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس راہ میں اگر انہیں سر کٹانا پڑا تو اس سے بھی انھوں نے دریغ نہیں کیا۔

انبیائے کرام نے لوگوں پر واضح کر دیا کہ وہ اتنے مصائب اور مشکلات اٹھا کر انھیں رات دن دل سوزی سمجھائے جا رہے ہیں تو اس لیے نہیں کہ اس سے ان کا اپنا کوئی مفاد وابستہ ہے۔ میں کوئی مال تجارت لے کر تمہارے پیچھے پیچھے نہیں پھر رہا ہوں کہ اگر تم نے نہ خریدا تو میرا کاروبار بیٹھ جائے گا۔ یہ تو محض تمہاری اصلاح و فلاح کی آرزو ہے جو تمہاری تمام ناقدریوں کے باوجود مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تو خدارا میری بات سنو۔ میں اس کا کوئی معاوضہ تو نہیں مانگ رہا ہوں کہ تم لوگ میری بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ میں نے تو مفت پایا ہے اور مفت بانٹ رہا ہوں۔ جہاں تک میرے اجر کا تعلق ہے تو وہ میرے اس رب کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میں تو تم کو کچھ دینا چاہتا ہوں کچھ لینے کا خواہشمند نہیں۔ کیا اتنی واضح بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

انبیا کی تربیت کا اہتمام [1]

نبوت و رسالت کا منصب اپنے ساتھ بہت بڑی ذمہ داریاں لاتا ہے لہٰذا جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ منصب عطا کرنا چاہتا ہے اس کی پیدائش ہی سے اسکی خاص تربیت فرماتا ہے۔ چونکہ نبی کی دعوت لوگوں کے مفادات پر ضرب لگانے والی ہوتی ہے اس لیے اسکے مخاطبین بالعموم اور طبقہ خواص بالخصوص بدکتے ہیں اور بالآخر اسکے مخالف بن کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر نبی نے خود مشکلات کا سامنا نہ کیا ہو اور لوگوں کی زیادتیوں سے اسے واسطہ نہ پڑا ہو نیز وہ انسانوں کی نفسیات سے آگاہ نہ ہو تو کار نبوت ادا کرنے میں اسے مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ لہٰذا اسکی تربیت میں ایسے عناصر شامل کر دیے جاتے ہیں جن سے واقف ہو کر وہ عملی زندگی میں اپنے فرائض سے پورے طور پر عہدہ برآ ہو سکے۔ یہ تربیت براہ راست اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوتی ہے اس لیے وہ

---

[1] یہ بحث مولانا خالد مسعودؒ کی کتاب حیات رسول امی کے باب " کار رسالت کے لیے تربیت" سے لی گئی ہے۔

ہونے والے نبی کو خاص امداد فراہم کرتا ہے اور اسکو مشکلات سے نکالنے کے لیے غیر معمولی انتظامات کرتا ہے۔

نبیوں کی تربیت کا ایک پہلو یہ بھی رہا ہے کہ وہ جس ماحول میں تبلیغ کے لیے مبعوث جانے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے پوری طرح آگاہ کرنے کا سامان کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے مخاطبوں کے عقائد، رسومات، کردار کے اچھے برے پہلوؤں اور اخلاقی کمزوریوں سے بخوبی آشنا ہو جاتے ہیں اور وہ لوگوں کے انداز فکر اور نفسیات کو بھی خوب سمجھ لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس خانوادے میں پیدا کیا گیا جو بتوں کا پجاری ہی نہیں بلکہ بت گر اور بت خانون کا منتظم بھی تھا۔ اس ماحول میں پرورش پا کر سیدنا ابراہیمؑ بتوں کے لیے قوم کی عقیدت مندیوں اور مشرکانہ عقائد کے ہر پہلو سے واقف ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے بعثت کے بعد جب قوم کو توحید کی دعوت دی تو ایک مرحلہ میں بت خانہ میں اپنی رسائی سے فائدہ اٹھائے ہوئے قوم کو سبق سکھانے کے لیے انھوں نے بتوں کو توڑ ڈالا اور ان کے غلط مؤقف کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تجارت پیشہ تھی تو وہ خود بھی اسی پیشہ سے منسلک تھے اس لیے کاروبار میں لوگوں کی بد دیانتیوں اور زیادتیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول مبعوث ہونے کے بعد جب انہوں نے اپنی قوم کی پیشہ ورانہ بد دیانتیوں کو بے نقاب کر کے انہیں بھلائی کی راہ اختیار کرنے کی دعوت دی تو قوم نے ان کو طعنہ دیا کہ تم ہمارے کاروبار پر اخلاقی قیدیں لگا کر خود اپنی تجارت چمکانا چاہتے ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے لڑکپن ہی سے اپنے سوتیلے بھائیوں کی زیادتیوں کا نشانہ بنے۔ جس سے انہیں تحمل و برداشت کی تربیت ملی۔ مصر کی غلامی میں انہیں مالک کی جاگیر کی نگرانی، کاشتکاروں کے طور طریقوں اور غلے کی برداشت اور ذخیرہ کی تربیت ملی۔ وہ غلامی کے مسائل سے دوچار ہوئے انہیں بے گناہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ اس طرح انہیں زندگی کے معاملات کے تجربات حاصل ہوئے اور انہیں تقویٰ اور صبر و استقامت کی تربیت میسر آئی۔ جس کو وہ آئندہ زندگی میں جب وہ قید خانہ سے سرخرو ہو کر نکلے، بروئے کار لائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ بنی اسماعیل میں ہونے والی تھی اور آپ نے ملت ابراہیم کو زندہ کرنا تھا اس لیے آپ کو بنو اسماعیل کی مرکزی بستی مکہ میں ان کے معزز اور حکمران خانوادے قریش میں پیدا کیا گیا۔ آپ نے اپنی قوم کے بتوں پر انحصار اور ان کی عقیدتوں کے مراجع سے پوری واقفیت حاصل کر لی۔ آپ ملت ابراہیم میں کی گئی خیانتوں پر مطلع ہو گئے۔ مکہ میں پورے عرب سے جمع ہونے والے تمام قبائل کے بارہ میں

آپ کی معلومات میں بے حد اضافہ ہوا جس سے آپ نے نبوت پانے کے بعد بھرپور فائدہ اٹھایا۔ تجارتی سفروں کے دوران آپ کو دوسرے ممالک کو دیکھنے اور وہاں کے باشندوں کے طور طریقے جاننے اور تجارت و معاملت کے انداز سیکھنے کا موقع ملا۔ مختلف لوگوں کے مزاج، کردار، نفسیات اور رسوم و رواج سے آگاہی کے مواقع میسر آئے۔ یہ تربیت اس وقت کام آئی جب آپ اللہ کے دین کی دعوت پھیلانے پر مامور ہوئے اور اس سلسلہ میں افراد اور وفود سے آپ کے مذاکرات ہوئے۔

گلہ بانی

اللہ تعالیٰ نبی کے منصب پر فائز ہونے والوں کو کچھ عرصہ گلہ بانی سے وابستہ کرتا ہے تاکہ وہ آگے چل کر اپنے صاحب ایمان ساتھیوں کی دیکھ بھال کرنے اور انہیں شیاطین کے حملوں سے بچانے کی تربیت حاصل کر سکیں جیسا کہ چرواہا بڑے انہماک سے اپنے ریوڑ کے ہر پہلو پر نظر رکھتا ہے کوئی بھیڑ بیمار ہو تو وہ اس کی خاص توجہ کی مستحق ہوتی ہے۔ کوئی بھیڑ ریوڑ سے الگ ہو جائے تو وہ اس کو ڈھونڈ کر ریوڑ میں واپس لاتا ہے کہ کہیں بھیڑیا اس کو کھا نہ جائے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں بکریوں کے ریوڑ چرائے اور ان کے مالک کی محبت سے نیکی کی تبلیغ کا فن سیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ میں خاندان کی بکریاں چرائیں۔

بچپن کی تربیت

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ پیدائش ہی سے انبیاء علیہ السلام کی تربیت فرماتا ہے۔ مصر کا حکمران فرعون ایک بے حد ظالم اور سفاک حکمران تھا جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو اس کے سامنے تبلیغ دین پر مامور کرنے کا فیصلہ ہوا تو انتہائی دشوار اور سنگین حالات میں ان کو پیدا کیا گیا۔ ایسے حالات پیدا کیے گئے کہ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے دربار اور ملک کے صف اوّل کے رہنماؤں کے درمیان پرورش پانے، ان کے طور طریقے سمجھنے اور سیکھنے اور ان کی نفسیات سے واقف ہونے کے مواقع ملے۔ اسرائیلوں کی مظلومیت اور بے بسی اور مصریوں کے ظلم و تشدد کو دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ تمام تجربات ایسے تھے جنھوں نے ان کی شخصیت میں نکھار اور طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ جب ان کو اس تربیت سے گزار چکا تو انہیں پیغمبری عطا کی۔

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کے تحت معاملہ ہوا۔ وہ پیدا

ہوئے تو والد کے وفات پا جانے کے باعث ان کے سایہ عاطفت سے محروم تھے۔عرب معاشرہ میں یتیم بچوں سے ہر زیادتی روا رکھی جاتی تھی۔وہ بے آسرا اور بے سہارا ہوتے، طاقتور رشتہ داران کے حصہ کی جائیداد ہڑپ کر جاتے یا حیلے بہانوں سے ہتھیا لیتے لہٰذا غربت اور تنگدستی ان کا مقدر بن جاتی۔بچپن میں یتیمی کے باعث آپ کی زندگی بڑی پر مشقت تھی۔چھ سال کی عمر میں آپ والدہ کی آغوش محبت سے بھی محروم ہو گئے۔آٹھ سال کی عمر میں شفیق دادا کی سرپرستی سے بھی محروم ہو گئے۔اس طرح آپ کو زندگی کی جدوجہد میں خود ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑا۔

طریقہ تعلیم

اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو جہاں تعلیم ایک ہی دی وہاں اس کے لیے طریقہ بھی ایک ہی اختیار فرمایا ہے۔اس کی تین شکلیں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں۔ایک وحی جس سے مراد دل میں بات ڈال دینے کے ہیں جس کو احادیث میں القاء فی الروع یا نفث فی الروع سے تعبیر فرمایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ پیغمبر کے دل پر اپنا کلام القاء تھا فرما دیتا ہے اور پیغمبر اس کو محفوظ کر لیتا ہے۔یہ چیز مجرد فکر یا خیال کی شکل میں نہیں ہوتی بلکہ کلام کی شکل میں نازل ہوتی ہے جس کو نبی سنتا اور سمجھتا بھی ہے اور اس کو محفوظ بھی کر لیتا ہے۔ان لوگوں کا خیال درست نہیں جو کہتے ہیں کہ وحی مجرد فکر کی شکل میں دل پر القاء ہوتی ہے جس کو الفاظ کا جامہ پیغمبر خود پہناتا ہے۔

تعلیم کی دوسری شکل یہ ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے پردے کی اوٹ میں بات کرتا ہے یعنی نبی اللہ کا کلام اور اس کی آواز سنتا لیکن اس کو دیکھتا نہیں۔اس کی مثال حضرت موسیٰؑ سے اللہ کا کلام اور خطاب ہے۔توریت اور قرآن دونوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات کی لیکن اس کو دیکھا نہیں۔قرآن کے اشارات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاید حضرت موسیٰ ؑ کے سوا اور کسی نبی سے اس طرح اللہ تعالیٰ نے کلام نہیں کیا۔

تعلیم کی تیسری شکل یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی رسول یعنی فرشتہ بھیجتا اور وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا پیغمبر کے دل پر القاء کر دیتا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتاری جاتی رہی۔

ان شکلوں کی طرف سورہ الشوریٰ میں اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعہ یا پردہ کے اوٹ سے یا بھیجے اپنا کوئی فرشتہ پس وہ وحی کرے اس کے اذن سے جو وہ چاہے۔بے شک وہ بڑا ہی بلند اور حکیم ہے۔'' (51)

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ وحی کے علاوہ دو اور طریقے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنے خاص ارادوں سے آگاہ فرماتا ہے۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ بشری شکل میں متشکل ہو کر ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہے۔اس کی مثال حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعات میں موجود ہے۔

دوسرا طریقہ رویا کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو جو کچھ مطلوب ہوتا ہے وہ رویا میں فرما دیتا ہے یا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔مثلاً حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا حکم رویا میں ہوا۔غزوہ بدر کے متعلق آنحضرتؐ کو بہت سے واقعات رویا میں دکھائے گئے۔

اس دنیا میں انسان جو کچھ بھی کرتا ہے اسی زمین کے اوپر یا نیچے کرتا ہے اس وجہ سے یہ انسان کے اعمال و اقوال کی سب سے بڑی گواہ ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس طرح انسان کے اعضاء و جوارح اور اس کے بدن کے روئیں روئیں کو اس کے خلاف گواہی دینے اور اس کی زندگی کا ریکارڈ سنانے کے لیے گویا کر دے گا اسی طرح زمین کو بھی ناطق بنا دے گا کہ وہ ہر ایک کا ریکارڈ سنا دے۔

(تدبر قرآن جلد ۹، صفحہ ۴۹۳)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

مراسلہ، مذاکرہ

سوال: یہ کائنات اتنی بڑی ہے کہ اس کی کوئی حد ونہایت نہیں۔ اتنی بڑی کائنات کا مقصد صرف انسان ہو تو یہ کوہ کندن کاہ برآوردن کا مصداق ہوگا۔ اتنے چھوٹے مقصد کے لیے اتنا بڑا کارخانہ قائم کرنا کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟

جواب: بات تو بے شک ایسی ہے کہ کچھ سمجھ میں نہ آئے لیکن اس کے سمجھ میں نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ لازماً یہ غلط بھی ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ بہت بڑی کائنات ہے، بہت بڑا نظام ہے لیکن انسان کو اتنا حقیر اور اتنا چھوٹا سمجھنا بھی میرا خیال ہے کہ غلط فہمی ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں یہ انسان کی منفی صلاحیتوں کے کارنامے ہیں جو اس وقت ہو رہے ہیں۔ یہ دنیا میں اس وقت جو کچھ بھی بنا ہوا ہے یہ اس کی منفی صلاحیتیں ہیں یہ اس کی تباہی کی سوچ ہے، خرابی کی سوچ ہے، بھلائی کی سوچ نہیں ہے۔ معلوم نہیں بھلائی کی سوچ میں اگر یہ ذہانت وہ دکھاتے تو کیا کرتے! یہ معلوم ہے کہ جس کی منفی صلاحیتیں اتنی ہیں، اس کی مثبت صلاحیتیں بھی بہت ہیں۔ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ کتنی ہیں تو اس کائنات کو اتنا بڑا سمجھ لینا کہ انسان اس میں حقیر ہستی ہو جائے یہ بات نہیں ہے۔ موجودہ زمانے کا انسان جو سائنس کے راستہ پر چلا ہے تو اس زعم کے ساتھ کہ ایک دن آئے گا ہم ثابت کر دیں گے کہ اس کائنات کے ماسٹر ہم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مذہب، خدا وغیرہ فریب اوہام ہیں اور جب ہم سائنس کے زور سے یہ ثابت کر دیں گے اور یہ اوہام دور ہو جائیں گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ہم کائنات کے ماسٹر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو جنت رکھی ہے تو یہ انسان کی مثبت صلاحیتوں کے نتیجے میں رکھی ہے۔ منفی

صلاحیتوں کے نتیجے میں نہیں۔ منفی صلاحیتوں کے نتیجے تو یہی ہیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن اس کی مثبت صلاحیتیں جو ہیں وہ اسی کے اعتبار سے اگر آپ ناپیں تو معلوم نہیں کتنی ہیں پھر تو جنت وغیرہ جو کچھ دوسرے عالم میں آنے والا ہے وہ بھی اس کے آگے گرد ہو کر رہ جاتا ہے۔ سب چیزیں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ انسان کی تخلیق کو چھوٹا مقصد قرار دینا انسان کی اپنی صلاحیتوں سے گویا مایوسی کا نتیجہ ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ مایوسی سوال کرنے والے صاحب کے اندر ہی ہے۔ دنیا میں عام انسان کے اندر یہ مایوسی نہیں ہے۔

جنت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لھم ما یشاؤن ان کو وہی کچھ حاصل ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اگر انسان کے اندر لھم ما یشاؤن کی یہ صلاحیت نہ ہوتی تو آخر یہ جنت ویسے کیسے بنتی اور ہمیں اس کی خبر کیوں دی جاتی اور یہ کہ ہمارے اندر اس کی طلب بھی ہے۔ ہم چاہتے تو یہی ہیں اب اگر انسان اپنی مثبت صلاحیتوں کے ذریعے سے لھم ما یشاؤن کے مقام تک پہنچ سکتا ہے تو یہ بڑی ہستی ہے، بہت بڑی چیز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فلاسفہ نے بھی کوئی مایوس کن بات نہیں کی ہے۔ وہ انسان کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ سقراط تو سارا راز اس کو سمجھتا ہے کہ اے انسان تو اپنے آپ کو پہچان۔ اقبال صاحب بھی جو کچھ یہ خودی اور فلسفہ خودی کہتے ہیں تو حقیقت میں کہتے تو یہی بات ہیں مگر کہتے اس طریقہ سے ہیں کہ اس میں ان کی تعبیر گم ہو گئی ہے لیکن وہ شاعر ہیں، تو شاعر ہر قسم کی باتیں کہتا ہے۔ انسان عالم اکبر کا ایک نمونہ ہے اور جو کچھ اس کائنات میں ہے اس کا مظہر انسان ہے۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا تو اس میں ہماری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ ہمارے مزاج کی ساخت بھی اس کی مرضی کے مطابق ہے۔ اس طرح کی زندگی پر مسئولیت بہت بڑی رکھی ہے۔ کیا اس حیثیت کی ایک یکطرفہ معاہدے کی نہیں ہے، جس میں دوسری پارٹی محض مجبور اشریک ہے؟

جواب: شاعر حضرات تو یہ بات کہتے رہے کہ مفت ہمیں بدنام کیا جو کچھ بھی کرتے ہیں خود کرتے ہیں اور خواہ مخواہ کو ہمیں بدنام کر رکھا ہے لیکن واقعہ یہ نہیں ہے اور اس کو اچھی طرح سے سوچ لینا چاہیے کہ بہت معمولی امتحان کے بدلہ میں ابدی زندگی دے دی ہے۔ اس دنیا کا یہ امتحان، جتنی بھی رغبات ہیں، جتنی بھی طمع ہیں سب کو سامنے رکھ کر کے آپ یہ فیصلہ کر سکتے

ہیں کہ ان میں سے کوئی رغبت ایسی نہیں ہے، کوئی مع ایسی نہیں ہے اور کوئی امتحان بھی ایسا نہیں ہے جو آپ کو اس زندگی کا جو اعلیٰ نصب العین ہے اس سے پھیرنے پر قادر ہو۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں۔ مجھے تو نہیں معلوم حالانکہ میرے اندر ان چیزوں کی طمع ہونی چاہیے لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ ان چیزوں کو بڑی آسانی کے ساتھ ٹھکرا سکتا ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ امتحان بہر حال ہے لیکن یہ امتحان ہرگز ہرگز ایسا نہیں کہ جو کچھ حاصل ہونے والا ہے اس کے مقابل میں اہمیت رکھتا ہو۔ جنت میں جن چیزوں کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو جو کچھ بنانے والے ہیں جس مقام عالی کو وہ حاصل کر سکتا ہے اس سے میں اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ پھر انسان سے بڑا اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے اور کوئی نہیں رہتا۔ یہ بہت بڑی چیز ہے اگر آپ کو قرآن مجید پر اطمینان ہے، اپنی فطرت پر اطمینان ہے، اپنی صلاحیتوں پر اطمینان ہے تو وہ امتحانات جن امتحانات سے آپ کو دنیا میں گزرنا پڑتا ہے ان میں کونسا ایسا ہے کہ جس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ امتحان بہت بڑا ہے یہ نہیں اٹھ سکتا۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ ایک زہر کا پیالہ پینا پڑے گا تو دنیا میں ایسے انسان ہو گزرے ہیں جنہوں نے دکھا دیا کہ یوں پی لیتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ سلطنت چھوڑنی پڑے گی تو بدھا نے سلطنت چھوڑ کر دکھا دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑے شیطان کے مقابلے میں ایسے انسان دنیا میں پیدا ہوتے ہیں کہ جنہوں نے شیطان کو اس طریقہ سے پچھاڑا کہ وہ راستہ چھوڑ دیتا تھا جس راستہ سے وہ گزرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق یہ معلوم ہے۔ تو یہ میں مانتا ہوں کہ امتحانات سخت ہیں لیکن بزدل کے لیے سخت ہیں، بہادر کے لیے کوئی سخت نہیں ہیں۔ اس شخص کے لیے سخت ہیں جس کو آگے ابدی زندگی کا صحیح تصور نہیں ہے۔

اب یہ ہے کہ جنت کی چیزوں کو مرزا غالب نے اور بیہودہ قسم کے شاعروں نے تحقیر کر کے ان کی وقعت گھٹا دی ہے اور آپ لوگ بھی اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ اس ادھار کے لیے اس نقد کو کون چھوڑے، یہ بہت بڑا معلوم ہوتا ہے لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ ان امتحانات کے مقابلہ میں اگر وہ ملتا ہے جس کا جنت میں وعدہ ہے تو یہ امتحان کوئی سخت نہیں ہے۔

اس معاہدے کو میں یکطرفہ نہیں سمجھتا لیکن یہ سمجھتا ہوں کہ ایک بادشاہ نے ابدی زندگی دے

دینے کے لیے گویا ہمارے اور آپ کے لیے بہانہ پیدا کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں آپ کی شرکت کوئی مظلومانہ شرکت نہیں ہے بلکہ بڑی فاتحانہ شرکت ہے اور اس کے لیے ہراساں نہیں ہونا چاہیے بلکہ حوصلہ ہونا چاہیے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے محض ایک بہانہ پیدا کیا ہے کوئی بوجھ نہیں ہے اس لیے کہ اس دنیا کی جو بڑی سے بڑی چیز ہے آپ سوچ لیجیے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ سوال کرنے والے صاحب جب میری عمر کو پہنچیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ اس دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جو خس برابر بھی وقعت رکھتی ہو۔ یہ نہ خیال کیجیے کہ چونکہ مجھے حاصل نہیں اس وجہ سے بھی یہ بات کرتا ہوں، نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ واقعہ یہی ہے۔ جب مجھے خیال ہوتا ہے کہ ابھی معلوم نہیں کب تک جینا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اپنی حکمتوں کو وہ خود جانتا ہے مجھے اس معاملہ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن ہر لحہ کو اللہ تعالیٰ اپنے قرب کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب ہی اصل بادشاہی ہے۔ معمولی معمولی لوگوں کے قرب کے لیے معلوم نہیں لوگ کیا کیا قربانیاں دیتے ہیں۔ ایمان، اخلاق، دین، صداقت، راست بازی، خاندان ونسل سب غارت کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ تو یہ خیال کرنا کہ ہم اس میں کوئی مظلومانہ حیثیت رکھتے ہیں صحیح نہیں ہے بلکہ بڑے عظیم معاہدے میں بغیر کسی زحمت کے ایک پارٹی بنا لیے گئے ہیں۔ کوئی نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ آپ وہاں پارٹی بن گئے ہیں جہاں پارٹی بننا بہت بڑا احسان ہے اور مفت میں بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی عزت بخش دی ہے۔ عظیم مقام بخش دیا ہے اور یاد رکھیے کہ پھر انسان سے بڑا اللہ تعالیٰ ہی رہتا ہے۔ اللہ کی بڑائی تو بہر حال ازلی اور ابدی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو بالکل اپنے قریب میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

معلوم نہیں میں اپنی بات سمجھا سکا یا نہیں سمجھا سکا لیکن ہے یہی صورت۔ آپ اطمینان رکھیں کہ میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا ہے کیوں کہ پہلے بھی میرے سامنے یہ سوال تھا کہ ذمہ داری بڑی سخت تو نہیں ہے، بوجھ بہت بھاری تو نہیں ہے، ان دونوں میں توازن ہے یا نہیں تو واقعہ ہے کہ مجھ پر یہی حقیقت واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ابدی بادشاہی دے دینے کے لیے محض

ایک بہانہ پیدا کیا ہے۔

سوال: اسلام کے ظہور کے وقت ہندو مذہب، بدھ مت اور دوسرے مذاہب موجود تھے اور وہ بہر حال مغضوبین اور ضالین تھے مگر ان کا ذکر قرآن میں بلکہ احادیث تک میں نہیں ہے۔ اس کی کچھ وجوہات بھی ہیں یا ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟

جواب: دراصل ایک بات جب اصولی طور پر بیان کردی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ ان ہی سے متعلق نہیں ہے جن کے متعلق بیان کی گئی ہے بلکہ یہ چیز جہاں جہاں بھی منطبق ہوگی وہ سب اس کی زد میں آئیں گے۔ اب مغضوب علیھم کے جو سب سے بڑی مثال تھے ان کو بیان کردیا اور ضالین کی جو سب سے بڑی مثال تھے ان کو بھی بیان کردیا۔ ان کو آپ سامنے رکھ کر نہایت آسانی سے فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ گروہ ضالین میں سے اور یہ مغضوب علیھم میں سے ہے۔ ہر ایک کا ذکر اگر کیا جائے تو ترجیح بلا مرجح بھی ہوسکتی ہے اس لیے کہ ہندو اور بدھ مذہب والے بھی تھے اور دوسرے مذاہب والے بھی تھے۔ ان کے متعلق سوال ہوسکتا ہے کہ کیوں ذکر نہیں ہوا۔ اس طریقہ سے جب کسی برائی یا کسی نیکی کا ذکر ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جہاں وہ نیکی پائی جائے گی وہ نیکی ہے اور جہاں وہ برائی پائی جائے گی وہ برائی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تو بلاشبہ ہندو اور بدھ مذہب بھی آپ ان ہی میں کسی میں شامل پائیں گے۔

سوال: اگر یہ مان لیا جائے کہ دوزخ سانس لیتی ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ قیامت کے ظہور سے پہلے موجود ہے اور تب ہی ہم جان سکتے ہیں کہ دنیا پر دوزخ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمایئے۔

جواب: یہ تو ٹھیک ہے کہ دوزخ موجود ہے اور جنت بھی موجود ہے۔ یہ چیز متشابہات میں سے ہے اور یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ کس شکل میں موجود ہے۔ ازلفت الجنّة للمتقین و برزت الجحیم للغوین، قرآن مجید میں آیا ہے۔ جحیم بے نقاب کی جائے گی تو معلوم ہوا کہ حجلہ آراء تو وہ ہے البتہ وہ بے نقاب نہیں ہے۔ ہمیں اپنی تنگ دنیا کے لحاظ سے نہیں سوچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی کائنات بنائی ہے اور کیا کیا اس کے اندر ہے۔ آپ اپنے علم کی قلت پر محمول کیجیے۔

سوال: صدقہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ مصیبتوں کو ٹال دیتا ہے۔ کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ دعا یا صدقہ تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔

جواب: دعا بھی بدل سکتی ہے اور صدقہ بھی بدل سکتا ہے۔ نیکی بڑی چیز ہے، دعا بھی نیکی ہے اور صدقہ بھی نیکی ہے۔ یہ چیزیں آپ کریں گے تو یہ چیزیں مصائب کے مقابل میں سپر بن سکتی ہیں۔ ان سے بے شک آفتیں دور ہوتی ہیں اور صدقہ تو دعا سے بھی بڑا موثر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق کریں تو آپ کو حق ہوجاتا ہے کہ آپ اس سے مدد مانگیں اور آپ کی دعا کو اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل ہو۔ دعا کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ مومن کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ تین شکلوں میں سے کوئی بات ہوگی یا تو دعا قبول ہوگی یا کسی اچھی شکل کے لیے محفوظ کرلی جائے گی یا آخرت میں آپ کو اجر ملے گا۔ ہر حال دعا قبول ہوتی ہے اس لیے جتنا ہوسکے مانگتے رہیے۔ دعا تو ہر وقت کرتے رہنا چاہیے یہی تو اصل چیز ہے۔

سوال: شیطان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟ کیا حضرت آدم سے اب تک ایک ہی شیطان چلا آرہا ہے یا اس کی اولاد۔ کیا شیطان کسی قوت کا نام ہے جو انسان کو برائی کی طرف راغب کرتی ہے۔ کیا ایک ہی شیطان ہر انسان کے پیچھے ہر وقت لگا رہتا ہے؟

جواب: ابلیس اس جن کا لقب ہے جس نے باوا آدم کو دھوکا دیا اور اس کے متعلق قرآن نے بیان کیا کہ کان من الجن ففسق عن امر ربه۔ وہ جنات میں سے تھا اور اس کے ازلی اور ابدی مخلوق ہونے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اس لیے کہ جنات کے اوپر گویا اس طریقہ سے سب سلسلہ ہے جیسے کہ ہمارے ساتھ ہے تو اس شیطان کے جو پیرو ہیں وہ اس کی ذریت ہیں اور انسانوں میں جو لوگ ساتھ دیتے ہیں وہ بھی اس کی ذریت ہیں۔ شیطان کا اصل طریقہ واردات جیسا کہ قرآن میں آتا ہے۔ وسواس الخناس، وسوسہ اندازی کرنا ہے۔ وسوسہ اندازی کرنے والے جس طرح جنات میں سے ہوسکتے ہیں اسی طرح انسانوں میں سے بھی ہیں جو اپنے مضامین کے ذریعہ، اپنے افسانوں کے ذریعہ، اپنی شاعری کے ذریعہ، اپنے ناٹک اور ڈراموں کے ذریعہ اور نہ جانے کیا کیا شکلیں ہیں، وہ کرتے ہیں۔ شیاطین وسوسہ اندازی کرکے انسان کو گناہ کی طرف راغب کرتے ہیں اور گناہ کا مطلب یہی ہے کہ وہ

انسان سے یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو اختیار بخشا ہے جس کی حیثیت ایک امانت کی ہے اس میں وہ اللہ کی مرضیات کی غلامی نہ کرے بلکہ اپنے نفس کا حصہ بھی رکھے۔ شیطان یہی کرتا ہے۔ اس مغالطہ میں نہ رہیے کہ ایک ہی شیطان ہے بلکہ ایک پورا قبیلہ ہے جنوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی۔ یہ پورا ایک نظام ہے اور افسوس کہ اس وقت دنیا پر اس کی ذریت کا غلبہ ہے۔

سوال: شیطان کی ابدی زندگی کا تصور لوگ آیت انظرنی الی یوم یبعثون سے لیتے ہیں۔ کیا یہ درست نہیں؟

جواب: انظرنی الی یوم یبعثون کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو راندہ درگاہ قرار دیا تو اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے مہلت دیں اس دن تک کے لیے کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے تو میں یہ ثابت کردوں گا ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو آپ کی خلافت کا حقدار ہو بلکہ میں ان سب کو اپنی فتراک ضلالت کا نخچیر بنالوں گا، یہ کہا تھا تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے لیے مستقر ومتاع الی حین ہے کہ نہیں۔ اس دنیا میں جب تک ہیں اس وقت تک اولاد آدم کے لیے بھی یہ چیز ہے تو یہ افرادی حیثیت سے تو نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ذریت آدم کے لیے ہے۔ ایک وقت تک کے لیے، قیامت سے پہلے تک کے لیے آپ کا یہاں رہنا اور آپ کا یہاں بسنا اور کھانا پینا ہے۔ اس طریقہ سے یہ بات ابلیس سے بھی کہی گئی۔ شیطانوں کے امام کی حیثیت سے یہ اسلوب جس طرح آدم اور ان کی ذریت کے لیے استعمال ہوا اسی طریقہ سے اس کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے لیے اور میری ذریت کے لیے مہلت دی جائے۔ اس وقت دنیا پر اسی کا غلبہ ہے۔ کچھ نفوس قدسیہ ہیں کہ جو بچ رہے ہیں اور اس کی گھاتوں کو جانتے ہیں۔

سوال: آج کل عورتوں میں پردہ کا رواج بڑی تیزی سے ختم ہورہا ہے اور دیہات میں تو اس کا اہتمام ہی نہیں ہے۔ کیا اسلامی حکومت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے پر پابندیاں عاید کرے گی۔ اگر کرے گی تو کس حد تک؟ عورت کے لیے معاشی جدوجہد کرنے کا کیا مقام ہے؟ کیا عورت شاپنگ کرسکتی ہے؟

جواب: دیہات میں پردہ کے بارے میں آپ کی رائے سے میں متفق نہیں ہوں۔ میں دیہات میں آٹھ سال رہا ہوں۔ آپ دیہات میں کھیتوں میں چلے جائیں وہاں عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں اور جب آپ چلے جاتے ہیں تو وہ ذرا کنارے ہو کر بیٹھ رہتی ہیں۔ کوئی بات کہنی ہو تو اپنے میاں سے کہتی ہیں کہ ان سے یہ بات کہہ دو کہلا دیتی ہیں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کٹائی کے وقت عورتیں یوں ہی چلی آتی ہوں۔ رہ گئی مائیاں نوکرانیاں وغیرہ تو ان کے لیے وہ سب ہے بھی نہیں۔

خواتین میں جو پردہ کا رواج تیزی سے ختم ہورہا ہے تو شاید یہ اس اسلامی حکومت کی برکت ہوگی۔ اسلامی حکومت عورتوں کو گھر سے نکلنے پر پابندیاں عاید کرے گی اور اگر کرے گی تو کس حد تک تو یہ سوال آپ حکومت سے کیجیے۔ مجھے حکومت میں کسی طور پر دخل نہیں، میرا کوئی تعلق نہیں یہ جواب حکومت ہی دے سکتی ہے کہ کیا کرے گی۔ اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے تو وہ میں نے ''قرآن میں پردے کے احکام'' اور تفسیر ''تدبر قرآن'' میں بیان کردیے ہیں اور واضح طریق پر بیان کردیے ہیں کہ باہر نکلنے کی صورت میں عورت پر کیا پابندیاں ہیں اور گھر کے اندر عزیزوں، رشتہ داروں اور اعتماد اور تعلق رکھنے والوں کے ساتھ کس طریقہ کا پردہ ہونا چاہیے۔ میں اس پر اب تک مطمئن ہوں کہ بالکل ٹھیک ہے۔

عورت شاپنگ کرسکتی ہے اگر یہ جان لیں کہ اپنا سودا سلف لے سکتی ہے تو بہرحال یہ عورت کرسکتی ہے، ناممکن تو نہیں، جو باہر کا پردہ ہے ان شرائط کے ساتھ یہ کام ہوسکتا ہے۔

عورت کے لیے معاشی جدوجہد کا کیا مقام ہے۔ یہ سوال ایسا ہے جیسا کہا جائے کہ اندھوں کے لیے معاشی جدوجہد، مریضوں کے لیے، کمزوروں کے لیے معاشی جدوجہد وغیرہ۔ ہر اچھے معاشرہ کا فرض ہے کہ اپنے معاشرہ کے کمزور افراد کے مسائل کو حل کرنے کے لیے انتظام کرے۔ عورت کا بھی ایک خاص دائرہ ہے۔ اس دائرہ کے اندر وہ کام کرسکتی ہے۔ معاشی جدوجہد کا بار عورت پر ڈالنا، یہ معاشرہ کی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الرجال قوّامون علی النساء اور اس کی دلیل یہ دی کہ وہی اپنے مال سے عورتوں کے لیے ذریعہ فراہم کرتے ہیں البتہ ایسی عورتیں بھی ہوسکتی ہیں کہ جن کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور معاش کے لیے جدوجہد کی محتاج

ہوں تو معاشی ضرورت ایسی ہے کہ بہر حال جدوجہد وہ کریں گی۔ یہ معاشرہ کے اوپر ایک طنز ہے۔ جس معاشرہ میں یہ ہو تو وہ معاشرہ گویا اپنی ضروریات کے سمجھنے سے قاصر رہا ہے۔ معاشرہ کو چاہیے کہ وہ اس کی فکر کرے کہ ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں اس جدوجہد پر مجبور نہ ہوں جو ہمارے کرنے کی ہے۔ حکومت کے فرائض میں بھی یہ ہے کہ اس پہلو پر نظر رکھے۔

سوال: ایسی قوم کہ جس کے اندر خدا کا پیغمبر موجود ہو اور اتنے عرصہ تک ان کی تعلیم و تربیت کرتا چلا آ رہا ہو صرف چالیس دن کے اندر ایسے کھلے شرک میں کیسے مبتلا ہو سکتی ہے جیسے بنی اسرائیل ہو گئے؟

جواب: کیسے مبتلا ہو سکتی ہے؟ یہ تو واقعہ ہے کہ وہ ہو گئی، یہ کوئی مستبعد چیز نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے شریر لوگ فتنہ اٹھا دیتے ہیں اور بہت سارے لوگ یہ جانتے ہوئے کہ یہ فتنہ ہے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سامری کی شرارت پر اکثریت راضی نہیں تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ نری حماقت ہو رہی ہے لیکن اتنے قوی الارادہ نہیں تھے کہ وہ لوگوں کو پوری شدت کے ساتھ روکتے۔ حد یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ جو اصل ذمہ داری پر مامور ہو گئے وہ بھی مرعوب تھے اور انہوں نے معذرت کی کہ ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں کہ فرقت بينى و بين بنى اسرائيل۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے شمار لوگ صرف اس لیے مار کھا گئے کہ پوری جرأت کے ساتھ جو اقدام کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کیا اور یہ لوگوں کی کمزوری ہوتی ہے۔

کتنا ہی زمانہ تعلیم و تربیت میں گزرے، خود آپ اپنی تاریخ میں کیا جواب دیں گے۔ اللہ اکبر۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا جو تعلیم دی وہ معلوم ہے۔ خلفائے راشدین نے جو کچھ کیا وہ معلوم ہے لیکن عین خلفائے راشدین کے دور میں جو خون خرابہ ہوا وہ دیکھیے، بنی اسرائیل کی طرف کیوں جاتے ہیں۔ اس کا آپ کیا جواب دے سکتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ فتنہ جب اٹھتا ہے تو پھر یہ ہے کو جو اندھے ہوتے ہیں وہ تو خیر ہوتے ہی ہیں لیکن بہت سارے لوگوں کو دوسروں کی خاک بازی اندھا کر دیتی ہے۔ اس طرح کے واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ بات بننے میں تو بڑے دن لگتے ہیں لیکن بگڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ یہ چیز

سوچنے کی ہے۔ قومی اور اجتماعی نفسیات کے اصول کے اوپر غالباً ہمارے علماء نفسیات نے کام نہیں کیا ہے کہ بگڑنے میں دیر نہیں لگتی۔

سوال: حضرت نوح کی دعا اپنے بیٹے کے حق میں اور حضرت ابراہیم کی دعا اپنے باپ کے حق میں اس لیے قبول نہیں ہوئی کہ حضرت نوح کا بیٹا اور حضرت ابراہیم کے باپ شرک میں مبتلا تھے لیکن اگر عقاید کی درستگی کے ساتھ کوئی گنہگار ہو تو کیا اسکے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش بھی اللہ کے ہاں قبول نہ ہوگی؟

جواب: عقائد کی درستی کے ساتھ اگر کوئی صرف گنہگار ہے تو ایسے گنہگار آدمی کی مغفرت توبہ اور اصلاح سے ہو جائے گی خاص اس کے لیے سفارش کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کے لیے راستہ کھلا ہوا ہے۔ توبہ کے لیے شرطیں مقرر ہیں اگر وہ آپ نے پوری کیں تو مغفرت ہو جائے گی لیکن اگر آپ نے توبہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی عاید کردہ شرطیں پوری نہیں کی ہیں تو پیغمبر ان کو توڑنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ وہ شرطیں یہ ہیں کہ گناہ کے بعد آدمی فوراً توبہ کرے گا تو توبہ فوراً قبول ہو جائے گی لیکن اگر اس پر فوراً توبہ نہیں کی تو کوئی معافی نہیں ہے۔ اب بیچ میں خاموشی ہے کہ توبہ فوراً تو نہیں کی، مرنے سے پہلے کر لی، تب کیا ہوگا۔ یہ خاموشی امید دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا لیکن یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی وعدہ نہیں کیا ہے اگر آپ گناہ کرتے چلے جا رہے ہیں اور توبہ میں بہت دیر لگا دی تو اس بارے میں قرآن خاموش ہے اور میں بھی خاموش ہی رہوں گا۔

عقیدہ درست ہے صرف گناہ ہیں تو گناہ سے کون پاک ہو سکتا ہے۔ نبی کے سوا تو کوئی پاک نہیں ہو سکتا، گناہ تو ہوتے رہتے ہیں، گناہ کے اوپر اصرار یہ خود شرک ہے۔ توبہ کرتے رہنا چاہیے ہر روز کرتے رہنا چاہیے، لاکھ بار کرتے رہنا چاہیے۔ امید کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی سفارش کے معاف فرما دے گا۔

شفاعت کے متعلق چھوٹی سی بات یاد رکھیے کہ کوئی بھی کوئی سفارش اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں کرے گا۔ وہی سفارش کرے گا جس کو اجازت ملی ہے اور اس کے بارے میں سفارش کرے گا جس کے بارے میں اجازت ملی ہے اور جو کچھ کہے گا حق بات کہے گا۔

سوال: آج کل لوگوں کی وفات پر قرآن خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مقصود اس سے ایصال ثواب ہوتا ہے۔ صحابہ کے دور میں کیا ایسا ہوا ہے؟ کیا قرآن خوانی میں تعاون جائز ہے؟ کیا اس اہتمام سے واقعی مرحوم کی روح کو فائدہ پہنچتا ہے جب کہ قرآن خود کہتا ہے کہ لیس للانسان الا ماسعی۔

جواب: میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ قرآن خوانی کا یہ طریقہ کب سے اختیار کیا گیا لیکن یہ بات میں جانتا ہوں کہ سلف میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ کسی کی وفات پر قرآن خوانی کی گئی ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں آتا ہے۔ بہر حال یہ بعد کی ایجاد ہے اور اچھی ایجاد بھی نہیں ہے کہ نعم البدعہ کہا جائے بلکہ یہ ہے کہ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ اس عمل کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

کیا قرآن خوانی میں تعاون جائز ہے؟ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس بدعة کا ارتکاب کیا ہو۔ یہ ہوتی رہتی ہیں لیکن میں آج تک کسی قرآن خوانی میں نہیں گیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ میں کوئی بڑا پارسا آدمی ہوں۔ مجھ سے گناہ بہت سرزد ہوئے ہیں لیکن اس گناہ میں نہیں پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ فائدہ پہنچنے کی کوئی عقلی دلیل معلوم نہیں ہوتی۔ کوئی بنیاد نہیں کہ کس طرح فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ قرآن خوانی بالعموم ایسے لوگوں کے لیے کی جاتی ہے جنھوں نے قرآن نہ خود پڑھا ہے نہ ہاتھ لگایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو تو فائدہ پہنچ ہی نہیں سکتا لیکن فرض کر لیجیے کہ اس شخص نے قرآن پڑھا ہے تو قرآن میں فائدہ پہنچانے کے، ایصال ثواب کے طریقے متعین طور پر بتا دیے ہیں کہ اس طریقہ سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

جو کام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کا حکم نہیں دیا۔ صحابہؓ نے نہیں کیا اس سے میت کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ایک کار عبث ہو اور ایسا کار عبث کہ جس کے اوپر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے۔

فاران فاؤنڈیشن

• پبلشرز
• بک سیلرز

فرسٹ فلور، ملک بلڈنگ، 19۔ اے ایبٹ روڈ، لاہور
فون: 6303244-42-92+ ای میل: faran@wol.net.pk

پرائس لسٹ

نام کتاب	قیمت
تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ	
1. مجموعہ تفاسیر فراہی	Rs. 400.00
2. * تفسیر قرآن کے اصول	Rs. 80.00
3. حکمت قرآن	Rs. 120.00
تالیفات مولانا امین احسن اصلاحیؒ	
1. تدبر قرآن — کامل (9 جلد)	Rs. 3,330.00
(فی جلد)	Rs. 370.00
2. قرآن حکیم مع ترجمہ و اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	Rs. 600.00
(حمائل ایڈیشن)	Rs. 425.00
3. قرآن مجید مترجم بین السطور ترجمہ	Rs. 520.00
4. اشاریہ تفسیر تدبر قرآن	Rs. 160.00
5. * تدبر حدیث — شرح امام مالکؒ	Rs. 350.00
6. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد اول)	Rs. 360.00
7. * تدبر حدیث — شرح صحیح بخاری (جلد دوم)	Rs. 360.00
8. مبادئ تدبر قرآن	Rs. 160.00
9. مبادئ تدبر حدیث	Rs. 130.00
10. حقیقت شرک و توحید	Rs. 210.00
11. حقیقت نماز	Rs. 75.00
12. حقیقت تقویٰ	Rs. 75.00
13. تزکیہ نفس — کامل	Rs. 300.00

نام کتاب	قیمت
13. تزکیہ نفس — جلد دوم	Rs. 150.00
14. دعوت دین اور اس کا طریقہ کار	Rs. 160.00
15. اسلامی قانون کی تدوین	Rs. 110.00
16. اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	Rs. 110.00
17. اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	Rs. 160.00
18. قرآن میں پردے کے احکام	Rs. 20.00
19. فلسفے کے بنیادی مسائل — قرآن حکیم کی روشنی میں	Rs. 170.00
20. تفہیم دین	Rs. 130.00
21. مقالات اصلاحی (جلد اول)	Rs. 240.00
22. مقالات اصلاحی (جلد دوم)	Rs. 275.00
23. * اصول فہم قرآن	Rs. 34.00
24. اسلامی ریاست (زیر طبع)	----
تالیفات مولانا خالد مسعودؒ	
قرآن حکیم (سٹینڈرڈ ایڈیشن)	Rs. 600.00
(حمائل ایڈیشن)	Rs. 425.00
مع ترجمہ اور اخذ و تلخیص تفسیر تدبر قرآن؛ ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحیؒ؛ حواشی: مولانا خالد مسعودؒ	
حیات رسول امی ﷺ	Rs. 375.00
اسباق النحو	Rs. 36.00